



مظہر علی

یک از نظریات

نویسنده پیشتر، بک سیرلز ہمراہ دارد

پاک گیٹ () ملتان

شکریہ۔ جہاں تک کرنل فریدی کی کارکردگی کا تعلق ہے تو وہ تو اپنی فیلا میں کام کرتا رہتا ہے لیکن اب چونکہ عمران کے ساتھ اس کا مشن مشترک نہیں ہوتا۔ اس لئے آپ تک اس کی کارکردگی کی تفصیلات نہیں پہنچ رہیں اور واقعی عمران کا خالہ زاد قاسم بھی اسی وجہ سے پس منظر میں چلا گیا ہے لیکن آپ فکر مند نہ ہوں۔ انشاء اللہ جلد ہی کرنل فریدی اور خالہ زاد قاسم دونوں سے آپ کی ملاقات ہوگی۔ صرف ملاقات ہی نہیں بلکہ یہ نہایتی بھرپور ملاقات بھی ہوگی۔

اب اجازت دیجئے

والسلام

آپ کا مخلص

منظہر کلیم ایم۔ اے

عمران اپنے فلیٹ میں ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

”یہ اس جدید زمانے میں دستک دینے والا کون آگیا؟“..... عمران نے کتاب ایک طرف رکھ کر صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا دروازے کی طرف بڑھ گیا چونکہ سلیمان مارکیٹ گیا ہوا تھا اس لئے اسے خود جانا پڑا تھا اس نے دروازہ کھولا تو دوسرے لمحے وہ بے اختیار چونک پڑا دروازے پر ایک سات آٹھ سال کا بچہ کھڑا تھا اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔

”آپ۔ آپ کا نام علی عمران ہے ناں اکل؟“..... بچے نے پریشان سے لہجے میں کہا۔

”ہاں ہے تو یہی مگر.....“ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔
”میری می شدید بیمار ہیں پلیز کسی ڈاکٹر کو بلو دیجئے۔“..... بچے

میں لگا دیا۔

”کیا آپ ڈاکٹر ہیں انکل میری می بچ جائیں گی ناں۔ مرن تو نہیں جائیں گی۔“ بچے نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

”اوہ نہیں بیٹے گھبرانے والی کوئی بات نہیں آپ کی می بالکل ٹھیک ہو جائیں گی فون کہاں ہے میں ڈاکٹر کو کال کر لوں۔“ عمران نے کہا۔

”فون تو دو روز سے غراب ہے انکل اس لئے تو می ڈاکٹر کو فون نہیں کر سکی تھیں۔“ بچے نے جواب دیا۔

”اچھا میں اپنے فلیٹ سے فون کر لیتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور تیزی سے واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔ جب وہ واپس اپنے فلیٹ پر پہنچا تو سلیمان آچکا تھا۔

”آپ کہاں چلے گئے تھے صاحب۔“ سلیمان نے حیران ہو کر کہا۔ ”یہاں سے آٹھویں فلیٹ سے ایک بچہ آیا تھا اس کی ماں بیمار ہے ان کا فون غراب ہے وہ مجھے بلا کر لے گیا تھا اب میں ڈاکٹر کو فون کرنے آیا ہوں۔“ عمران نے فون کا رسیور اٹھانے تک تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”اوہ مسز مراد کی بات کر رہے ہیں آپ۔“ سلیمان نے چونک کر کہا۔

”کیا تم اسے جانتے ہو۔“ عمران نے چونک کر کہا۔ ”جی ہاں مجھے دیکھتے ہیں کرتا ہوں ان کے فیملی ڈاکٹر کو فون۔“

نے اسی طرح پریشان سے لہجے میں کہا۔

”تمہاری می کہاں ہیں۔“ عمران نے اور زیادہ حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”یہاں سے آٹھواں فلیٹ ہے می اکیلی ہیں پلیر انکل ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔“ بچے نے اتہائی بے چین سے لہجے میں کہا۔

”اوہ اچھا ایک منٹ میں ایرجنسی بیگ لے آؤں شاید ابتدائی طبی امداد دینی پڑے۔“ عمران نے کہا اور تیزی سے مڑا اور ایک کمرے میں موجود ایرجنسی میڈیکل بیگ اٹھایا اور واپس باہر آ گیا بچہ اس دوران آخری سیرھی پر کھڑا تھا عمران نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور پھر بیگ لے کر وہ سیرحیاں اترتا ہوا نیچے آ گیا تھوڑی دیر بعد وہ واقعی ایک فلیٹ میں بچے کے ساتھ داخل ہو رہا تھا فلیٹ صاف ستھرا تھا اور اسے اچھے اور خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا۔

”آئیے آئیے انکل جلدی آئیے۔“ بچے نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور عمران سر ملاتا ہوا اس کے پیچھے ایک کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا کمرے میں ایک بیڈ پر ایک نوجوان خاتون بے ہوش پڑی ہوئی تھی اس کا چہرہ مٹاثر کی طرح سرخ نظر آ رہا تھا عمران نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کی نبض پکڑی۔

”اوہ انہیں تو بہت تیز بخار ہے اور یہ بخار کی شدت سے بے ہوش ہیں۔“ عمران نے کہا اور جلدی سے بیگ کھول کر اس نے ایک انجکشن اور سرخ نکالی اور پھر انجکشن تیار کر کے اس نے خاتون کے بازو

کہیں گئے ہوئے ہیں وہ ڈاکٹر کو فون کرنا چاہتا ہے میں اسے یہاں اپنے فلیٹ پر لے آیا اس سے نمبر پوچھ کر میں نے ڈاکٹر کا نمبر ملایا اور فون اسے دے دیا اس نے ڈاکٹر سے بات کی پھر میں اس کے ساتھ فلیٹ پر گیا ڈاکٹر بھی آگیا اس کے بعد ان کے ہمسائے بھی آگئے میں نے انہیں بتایا کہ میں اس فلیٹ پر رہتا ہوں میں نے آپ کا نام بھی بتلایا وہ خاتون آپ کے نام کے بارے میں جانتی تھی۔ سلیمان نے جواب دیا تو عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر واپس تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں بھی آپ کے ساتھ آ رہا ہوں صاحب سلیمان نے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا تھوڑی دیر بعد وہ واپس فلیٹ کے پاس پہنچے تو ایک کار وہاں آکر رکی۔ یہ ڈاکٹر اعظم صاحب ہیں۔ سلیمان نے کار سے اترنے والے ایک ادھیڑ عمر آدمی سے عمران کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ اور ڈاکٹر صاحب یہ علی عمران صاحب ہیں۔ سلیمان نے عمران کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر سے کہا۔

ادھ اچھا آپ سے ملاقات ایسے ماحول میں ہو رہی ہے بہر حال خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا اور عمران نے بھی رسمی فقرہ بول دیا کیونکہ اس وقت کسی مذاق کرنے کا ماحول ہی نہ تھا اور پھر وہ ڈاکٹر سمیت اوپر پہنچ گئے خاتون اسی طرح بے ہوش پڑی ہوئی تھیں اور بچہ بڑی بے چینی کے عالم میں وہاں ٹہل رہا تھا ڈاکٹر

سلیمان نے کہا اور رسیور عمران سے لے کر اس نے تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

سلیمان بول رہا ہوں ڈاکٹر صاحب مسز مراد بیمار ہیں پلیز آپ فوراً آجلیئے۔ سلیمان نے دوسری طرف سے آواز سنتے ہی کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے رسیور رکھ دیا۔

کون ہیں۔ مسز مراد تم نے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا اور وہ بچہ میرا نام بھی جانتا تھا۔ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

یہاں کسی سکول میں پڑھاتی ہیں انتہائی شریف اور نیک خاتون ہیں کچھ عرصہ پہلے جب آپ ملک سے باہر تھے تو میں رات کا کھانا کھا کر دسے ہی ٹہلنے کے لئے نکلتا تو میں نے انہیں ان کے فلیٹ کی سیڑھیوں پر قریباً نیم غشی کی حالت میں دیکھا میں نے دسے ہی ازراہ ہمدردی پوچھا کیا کہ انہیں کسی مدد کی تو ضرورت نہیں اس پر انہوں نے کہا کہ اوپر فلیٹ پر ان کا لڑکا عامر ہے اسے بلال لاؤ میں اوپر جا کر عامر کو بلالایا تھا انہوں نے عامر سے کہا کہ وہ ساتھ والے فلیٹ میں رہنے والی کسی خاتون کو بلالائے لڑکا جا کر کسی خاتون کو بلالایا تو اس خاتون کی مدد

سے وہ اوپر فلیٹ پر چلی گئیں میں آگے چلا گیا کچھ دنوں بعد میں مارکیٹ سے واپس آ رہا تھا تو میں نے اس بچے عامر کو انتہائی پریشانی کے عالم میں سیڑھیوں کے پاس سڑک پر کھڑے دیکھا اس کی حالت دیکھ کر میرا دل اس سے پوچھا کہ وہ کیوں پریشان ہے تو اس نے بتایا کہ اس کا

نانا حالت خراب ہے انکا فون بھی خراب ہے اور انکے ہمسائے بھی

آپ کی فیس؟ ... عمران نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

”اوہ نہیں عمران صاحب مسز مراد میری بچی کی استاد ہیں میں ان سے فیس نہیں لیا کرتا شکر یہ۔“ ڈاکٹر نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا جب کہ عمران اور سلیمان وہیں بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد اس خاتون نے کر لہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں بخار کی شدت کی وجہ سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں چند لمحوں تک تو ان کی آنکھوں میں شعور کی چمک پیدا نہ ہوئی لیکن شعور آتے ہی جیسے ہی ان کی نظروں سامنے بیٹھے ہوئے عمران پر پڑیں ان کی آنکھوں میں حیرت کی تھلیکیاں ابھریں اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاشعوری طور پر سمٹ کر انھیں کی کوشش کی۔

”لیئے رہیے مسز مراد میں آپ کا ہمسایہ ہوں اور ہمسائے تو ماں کے لئے میرا مطلب بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سلیمان۔ تم۔ مگر۔“ خاتون نے ایک طرف پڑی ہوئی ہمار گھسیٹ کر اپنے جسم پر ڈالتے ہوئے سلیمان کی طرف دیکھتے ہوئے

”سلیمان صاحب یہ ابھی ہوش میں آجائیں گی پھر انہیں بتا دیجئے کہ۔“ انہوں نے یہ گولیاں دن میں تین بار کھانی ہے اور کل مجھے کلینک میں مل لیں گی۔“ ڈاکٹر اعظم نے کہا اور بیگ بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب مجھے اجازت عمران صاحب۔“ ڈاکٹر اعظم نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

کو دیکھ کر اس کے چہرے پر یکفخت اطمینان کے تاثرات ابھر آئے۔

”انکل ڈاکٹر دیکھیں میری بیٹی کو کیا ہو گیا ہے۔“ بچے نے جس کا نام سلیمان نے عامر بتایا تھا ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔

”لکر مت کر دینیے یہ ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔“ ڈاکٹر نے کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا عمران نے ڈاکٹر کو بتایا کہ اس نے ایک انجکشن خاتون کو لگایا ہے۔

”اوہ آپ بھی ڈاکٹر ہیں۔“ ڈاکٹر اعظم نے حیران ہو کر کہا۔

”جی نہیں بس ابتدائی طبی امداد کے لئے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہوں۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر خاتون کی نبض اور آنکھیں کھول کر دیکھنے کے بعد انھیں تیار کرنے لگے۔

”ان خاتون کو گنٹھیا ہے شاید۔“ عمران نے اس انجکشن والی خاتون کو گنٹھیا ہے دیکھتے ہوئے کہا اور ڈاکٹر اعظم نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر انجکشن لگا کر انہوں نے بیگ سے ہی گولیوں کا ایک پیکیٹ نکالا اور سلیمان کی طرف بڑھا دیا۔

”سلیمان صاحب یہ ابھی ہوش میں آجائیں گی پھر انہیں بتا دیجئے کہ۔“

”اب مجھے اجازت عمران صاحب۔“ ڈاکٹر اعظم نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ اچھا۔ مگر۔ آپ کو تکلیف ہوئی شاید عامر نے آپ کو بلایا ہو گا میں شرمندہ ہوں۔“ خاتون نے اس بار قدرے اطمینان

کہا۔

معاف کیجئے مجھے ذاتی سوال کرنے تو نہیں چاہیں لیکن آپ کی پوزیشن دیکھنے کے بعد میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ عامر کے ساتھ اکیلی کیوں رہ رہی ہیں جب کہ آپ پر یہ بیماری بھی حملہ آور ہو چکی ہے۔ عمران نے دوس سب کرتے ہوئے کہا تو مسز مراد نے ایک پلویل سانس لیا اس کے چہرے پر یکفخت انتہائی کرب کے تاثرات ابھر آئے۔

عمران صاحب عامر کے والد مراد میرے شوہر آج سے چھ سال قبل اچانک غائب ہو گئے وہیں سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ میں آفسیر تھے اس وقت عامر کی عمر ایک سال تھی اور ہماری شادی کو دو سال ہوئے تھے مراد حسب معمول اس منحوس صبح کو تیار ہو کر دفتر گئے۔ پھر جب وہ رات تک واپس نہ آئے تو میں بے حد پریشانی ہوئی۔ میں نے ان کے ملنے جلنے والوں ان کے دوستوں کو فون کئے۔ مگر سب لاعلم تھے پھر رات گزر گئی۔ دوسری صبح میں خود ان کے دفتر گئی تو پتہ چلا کہ وہ تو کل دفتر ہی نہیں آئے۔ پھر عمران صاحب میں نے نجانے کہاں کہاں نکریں ماریں۔ پولیس کو رپورٹ کرائی۔ اخبارات میں اشتہارات دیئے۔ نجانے کہاں کہاں انہیں تلاش کیا لیکن ان کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ نجانے انہیں آسمان کھا گیا یا زمین نکل گئی۔ یہ فلیٹ ان کا ذاتی تھا جو جمع پونجی تھی وہ سب میں نے کھالی تو مجبوراً مجھے سکول میں سر دس کرنی پڑی۔ مراد صاحب کے والدین وفات پا چکے تھے۔ میرا

بھرے لہجے میں کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں مسز مراد ہمسائے تو ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ عمران نے کہا پھر سلیمان نے پانی کا گلاس لا کر مسز مراد کو ڈاکٹر کی دی ہوئی ایک گولی کھلائی چند لمحوں بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب ان کے چہرے پر موجود سرخی خاصی کم ہو گئی تھی۔

بیٹے عامر عمران صاحب کے لئے فریج سے مشروب لے آئے پہلی بار ہمارے فلیٹ پر آئے ہیں۔ مسز مراد نے عامر سے مخاطب ہو کر کہا۔ یس می۔۔۔۔۔ عامر نے مسکراتے ہوئے کہا اور تیزی سے دوسرے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

آپ خواہ مخواہ ٹکف کر رہی ہیں آپ بتائیے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔۔۔۔۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اب میں اپنے آپ کو کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں ساتھ والے ہمسائے بے حد اچھے ہیں وہ مجھے سنبھال لیتے ہیں لیکن وہ کسی شادی کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے ہیں اس لئے جیسے ہی میری طبیعت خراب ہوئی میں نے عامر سے کہا کہ وہ سلیمان اٹکل کو بلا لائے پھر ہوش ہی نہیں رہا۔۔۔۔۔ مسز مراد نے جواب دیا اسی لمحے عامر نے جو اس کے دو ذبے لئے ہوئے واپس آیا۔

یہ لیجئے اٹکل اور اٹکل آپ بھی۔۔۔۔۔ عامر نے مسکراتے ہوئے ایک ذبہ عمران کے ہاتھ میں اور دوسرا سلیمان کی طرف بڑھاتے ہوئے

اب کیا صورت نکلی گی بہر حال آپ فوٹو لے لیں۔ عامر بیٹے جا کر الہم لے آؤ اور عمران صاحب کو دے دو۔۔۔ مسز مراد نے کہا اور عامر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا چند لمحوں بعد وہ ایک بڑی سی الہم لے کر واپس آیا۔

اس میں ہماری شادی سے لے کر ان کے غائب ہونے تک سب فوٹو موجود ہیں۔ ان میں سے جو آپ چاہیں لے لیں۔۔۔۔۔ مسز مراد نے کہا تو عمران نے الہم کھولی اور اسے دیکھنے لگا۔ مراد واقعی ایک سمارٹ اور دیہہ فوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر شرافت کے تاثرات بھی نمایاں تھے۔ عمران الہم دیکھتا رہا۔ آخر میں ایک فوٹو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس میں مراد کے ساتھ ایک اور آدمی کھڑا ہوا تھا۔

”یہ کون صاحب ہیں۔۔۔“ عمران نے الہم مسز مراد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ ان کے دفتر کے ساتھی ہیں۔ اقبال فہیم صاحب۔ ان کے بڑے گہرے دوست تھے۔ انہوں نے بھی انہیں تلاش کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن بے سود۔۔۔۔۔ مسز مراد نے کہا۔

”کیا یہ اب بھی دفتر میں کام کرتے ہیں۔۔۔۔۔ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں اب تو یہ کافی بڑے افسر ہیں۔۔۔۔۔ مسز مراد نے جواب دیا اور عمران نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے الہم سے ایک چھوٹا مگر صاف فوٹو نکالا اور مسز مراد کو دکھا کر اس نے اسے جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس نے مسز مراد سے اس کے شوہر کے غائب ہونے کی حتمی تاریخ

بھی صرف ایک بھائی تھا جو شادی شدہ ہے۔ اس نے مجھے اپنے گھر لے جانا چاہا۔ لیکن میں مراد کا گھر نہ چھوڑنا چاہتی تھی اور مجھے ان کا انتظار بھی تھا۔ لیکن آج چھ سال ہو گئے ہیں۔ آج تک بس انتظار ہی کر رہی ہوں۔ یہ بیماری بھی اس پریشانی اور اعصابی دباؤ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مسز مراد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”صاحب میں جاؤں۔۔۔ سلیمان نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ہاں میرا بیگ لے جاؤ میں آ رہا ہوں۔“ عمران نے کہا اور سلیمان عمران کا بیگ اٹھا کر اور مسز مراد کو سلام کر کے واپس چلا گیا۔

”مراد صاحب دفتر کس چیز پر جاتے تھے۔“ عمران نے پوچھا۔

”بس پر۔ میں نے بس اڈوں پر جا کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ سچہ نہ چلا۔۔۔ مسز مراد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”پولیس نے کوئی انکوائری کی۔۔۔ عمران نے پوچھا۔

”جی پولیس والوں نے پہلے تو مجھے تسلی دی پھر آہستہ آہستہ انہوں نے بے رخی اختیار کر لی اور اس کے بعد انہوں نے صاف جواب دے دیا۔۔۔۔۔ مسز مراد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”آپ کے پاس ان کا فوٹو تو ہو گا۔“ عمران نے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔ مسز مراد نے جواب دیا۔

”آپ ان کا فوٹو مجھے دے دیں۔ میں اپنے طور پر کوشش کرتا ہوں

شاید کوئی بہتری کی صورت نکل آئے۔۔۔ عمران نے کہا۔

وہ لائبریری کے مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ اس سیکشن میں پہنچ گیا جہاں اخبارات کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ اس شعبے کا انچارج ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر بیزاری اور بوریت کے تاثرات اتنے واضح تھے کہ عمران بے اختیار چونک پڑا۔

”جی فرمائیے، جناب آپ بھی فرمائیے؟“ اس آدمی نے اسی طرح بیزار اور ناخوشگوار سے لہجے میں عمران سے مخاطب ہو کر کہا تو عمران نے کرسی گھسیٹی اور اطمینان سے اس کی میز کے ساتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

”کیا آپ میری فرمائش واقعی پوری کریں گے؟“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی۔ کیسی فرمائش۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں یہاں لوگوں کی فرمائشیں تو پوری کرنے کے لئے نہیں بیٹھا ہوا“ اس آدمی نے اور زیادہ بیزار لہجے میں کہا۔

”تو پھر آپ یہاں کس لئے بیٹھے ہوئے ہیں؟“ عمران نے جواب دیا۔

”آپ پلیز فالتو باتیں نہ کریں۔ بتائیے کیا کام ہے آپ کو کیا چاہئے؟“ اس آدمی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”آپ کا نام کیا ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”میرا نام۔ کیوں۔ کیا یہاں آپ میرا نام پوچھنے آئے ہیں۔ دیکھئے صاحب میرے پاس آپ کے فضول سوالوں کے جواب دینے کا قطعی وقت نہیں ہے۔“ اس آدمی نے اور زیادہ اکھڑے ہوئے لہجے میں

پوچھی اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں آپ کو فی الحال کوئی امید تو نہیں دلا سکتا لیکن بہر حال میں کوشش ضرور کروں گا اور ہاں آپ کو کسی بھی وقت کسی قسم کی بھی ضرورت ہو۔ آپ بلا تکلف مجھے یا سلیمان کو کہہ سکتی ہیں۔ میں سلیمان سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ آپ کا فون بھی درست کرانے کی کوشش کرے۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔“ عمران نے کہا تو مسز مراد نے اس کا شکریہ ادا کیا اور عمران سر ہلاتا ہوا فلیٹ سے باہر آ گیا۔

”سلیمان مسز مراد کا فون خراب ہے۔ اسے ٹھیک کرانے کے لئے کیلیڈنٹ درج کرادو۔“ عمران نے فلیٹ میں پہنچ کر سلیمان کو آواز دیتے ہوئے کہا جو باورچی خانے میں تھا۔

”جی صاحب۔“ سلیمان نے وہیں سے جواب دیا تو عمران سر ہلاتا ہوا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے لباس تبدیل کیا اور پھر سلیمان کو دروازہ بند کر دینے کا کہہ کر وہ فلیٹ سے باہر آیا اور چند لمحوں بعد اس کی کار خاصی تیز رفتاری سے میونسپل لائبریری کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ وہ ان تارنحوں کے اخبارات چیک کرنا چاہتا تھا جب مراد اس طرح اچانک غائب ہوا تھا۔ یہ بات اس کے حلق سے نہ اتر رہی تھی کہ ایک پڑھا لکھا شریف اور سمجھدار آدمی گھر سے دفتر جانے کے لئے نکلے اور پھر اس طرح غائب ہو جائے۔ اسے اس چکر کے پیچھے کوئی خاص راز نظر آ رہا تھا اور وہ بہر حال اسے حل کرنا چاہتا تھا۔

میونسپل لائبریری کی پارکنگ میں اس نے کار روکی اور پھر کار سے اتر کر

”نسوانی نام۔ یعنی میں آپ کو عورت نظر آ رہا ہوں۔ آپ سمجھتے کیا ہیں مجھے۔ میرا نام رانا نور ہے اور میں آپ جیسے بکواس کرنے والوں کا منہ بھی توڑ سکتا ہوں“۔ رانا صاحب اس بار واقعی تو تڑاک پر اتر آئے تھے۔

”چلو اسی بہانے نام کا تو پتہ لگا۔ ہاں رانا نور صاحب۔ آپ نے لائبریری سائنس میں ڈگری کس یونیورسٹی سے لی ہے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ آخر ہیں کیا بلا۔ کیوں آپ یہ الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا قصور ہے میرا۔ کیا کہا ہے میں نے۔ پتہ نہیں کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔ جو منہ اٹھائے آتا ہے۔ ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیتا ہے۔“ رانا نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑتے ہوئے استہائی جھلائے ہوئے لہجے میں کہا تو عمران کرسی سے اٹھا اور تیزی سے مڑ کر وہ ہیڈ لائبریرین کے آفس کی طرف بڑھ گیا۔ ہیڈ لائبریرین کا باقاعدہ دفتر بنا ہوا تھا۔ دروازے پر ایک چڑاسی بھی موجود تھا۔

صاحب میٹنگ میں مصروف ہیں۔“..... چڑاسی نے عمران کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر سٹول سے اٹھتے ہوئے قدرے کرحشت لہجے میں کہا۔

”کس کے ساتھ“..... عمران نے مسکرا کر پوچھا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا عمران نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا یہ ایک خاصا بڑا کمرہ تھا۔ ایک بڑی سی دفتری میز کے پیچھے ایک منحنی سا

کہا۔

”چلیے آپ وہ سوال بتا دیں۔ جن کے جواب دینے کا آپ کے پاس وقت ہو“..... عمران نے کہا۔

”کیا۔ کیا مطلب۔ آپ ہیں کون۔ کیا مقصد ہے آپ کا۔“..... اس آدمی نے اور زیادہ اکھڑتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر اب ہیراری کے ساتھ ساتھ غصے کے تاثرات بھی ابھر آئے تھے۔

”میرا نام علی عمران ہے اور میرا تعلق اقوام متحدہ کی ورلڈ لائبریری سے ہے“..... عمران نے کہا۔

”ہوگا تو پھر میں کیا کروں“..... اس آدمی کی کیفیت ہی نہ بدل رہی تھی۔

”آپ رہا سباناچ سکتے ہیں۔ ٹوٹ کر سکتے ہیں بڑیک ڈانس کر سکتے ہیں۔ آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔“..... عمران نے اسے اور چڑاتے ہوئے کہا۔

”کیا۔ کیا نام لئے ہیں آپ نے۔ کیا ناچ۔ کیا مطلب۔ دیکھیں جناب آپ جو بھی ہیں۔ گورنریں صدر ہیں۔ خدائی فوجدار ہیں۔ ہوں گے لیکن پلیز آپ مجھے تنگ نہ کریں“..... اس آدمی نے اور زیادہ غصیلے لہجے میں کہا۔

”میں نے آپ کا نام پوچھا تھا۔ کہیں آپ کا نام نسوانی قسم کا تو نہیں کہ آپ بتاتے ہوئے شرمارہے ہیں“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہے۔ اب کیا کیا جائے صاحب یہاں تو اندھیر لگ رہی ہے۔ یہ رانا صاحب محصول چوٹ لگ چکے ہیں سپردانز ہیں۔ ان کا لائبریری سے یا کتابوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ان کے خلاف لارڈ میئر صاحب کو شکایت پہنچائی گئی چنانچہ لارڈ میئر صاحب نے انہیں سزا کے طور پر وہاں سے ہٹا کر یہاں لائبریری میں تعینات کر دیا۔ اب وہ صاحب ہیں کہ کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے اور ہر آدمی میرے پاس آ جاتا ہے۔ لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں نے لارڈ میئر صاحب کو لکھ کر بھیجا ہے کہ انہیں یہاں سے شفٹ کریں لیکن کوئی جواب ہی نہیں آیا۔ سلام صاحب نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا تو عمران نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا۔ اسے اب سمجھ آئی تھی کہ رانا صاحب کے چہرے پر بیزاریست کیوں تھی اور وہ کیوں کاٹ کھانے کو دوڑ رہے تھے۔ ”تو یہ لائبریری نہیں ہے۔ سز یافتہ افراد کا ادارہ ہے۔ آپ کون سے شعبے سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں؟“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایسی بات نہیں ہے جناب میں تو یہاں ہیڈ لائبریرین ہوں۔“ سلام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اصل سزا رانا نور کو نہیں آپ کو مل رہی ہے۔“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور سلام صاحب نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”ان رانا صاحب کو بلوایے میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو ملنے

لگے سردالا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ میری سائڈوں پر دو آدمی موجود تھے۔ وہ تینوں چائے پینے اور گیس ہانکنے میں مصروف تھے۔

”جی۔ جی۔ آپ۔ اوہ۔ مگر۔“ اسی منہ سے آدمی نے چونک کر عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”معذرت خواہ ہوں آپ کی استثنائی سنجیدہ میٹنگ میں دخل اندازی کر رہا ہوں۔ میرا نام علی عمران ہے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”اوہ کتابوں کی خریداری کے سلسلے میں کاروباری بات ہو رہی تھی۔ بہر حال تشریف رکھیں۔“ اس آدمی نے کہا اور عمران ایک سائڈ پر رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ہمیں اجازت دیجئے سلام صاحب۔“ پہلے سے بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں نے کہا اور انہیں کھڑے ہوئے۔ سلام صاحب نے ان سے دعا سلام کی اور پھر وہ دونوں ٹیب سی نظروں سے عمران کو دیکھتے ہوئے واپس چلے گئے۔

”جی فرمائیں عمران صاحب میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“..... ہیڈ لائبریرین نے عمران کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”پہلے تو یہ بتائیے کہ جو صاحب اخبارات سیکشن کے انچارج ہیں اور جن کا نام شاید رانا نور ہے۔ وہ کب سے یہاں کام کر رہے ہیں؟“..... عمران نے کہا۔

”اوہ۔ اوہ آپ کو شاید ان کے رویے سے کوئی شکایت پیدا ہوئی

”لارڈ میسر خلیفہ حکیم صاحب ہیں ناں“ ... عمران نے سلام سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”جی ہاں وہی ہیں“ ... سلام نے جواب دیا۔

”ان کا فون نمبر کیا ہے“ ... عمران نے پوچھا۔

”کیوں۔ کیا آپ انہیں فون کرنا چاہتے ہیں“ ... سلام نے چونک کر پوچھا۔

”میں آپ کی اور رانا صاحب دونوں کی سزا ختم کرانا چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ لائبریری میں آنے والے صاحبان کی بھی جن کا رابطہ رانا صاحب سے پڑ جاتا ہے اور نجانے یہاں کتنے رانا صاحبان موجود ہوں گے“ عمران نے کہا۔

”صاحب یہ تو ہوتا رہتا ہے۔ آپ فرمائیں آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں آپ کی خدمت کر دیتا ہوں“ ... سلام صاحب نے کہا۔

”آپ بے فکر رہیں آپ کی شکایت نہیں ہوگی آپ نمبر بتائیں ورنہ مجھے انکوائری سے پوچھنا پڑے گا“ ... عمران نے جواب دیا تو اس بار ہیڈ لائبریرین نے فون نمبر بتا دیا۔ عمران نے رسیور اٹھایا اور نمبر ذائل کرنے شروع کر دیئے۔

”پی اے ٹو لارڈ میسر“ ... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک کراخت سی آواز سنائی دی۔

”لارڈ میسر سے بات کرائیں میں علی عمران بول رہا ہوں“۔ عمران نے کہا۔

والی یہ سزا ختم کراؤں“ ... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی۔ مگر۔ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا“ ... سلام صاحب نے عمران کی بات سن کر چونکتے ہوئے کہا۔

”تعارف تو وہی ہے جو میں نے پہلے کر دیا ہے۔ یعنی میرا نام علی عمران ہے اور بس“ ... عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو سلام صاحب نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی پر ہاتھ مارا۔ دوسرے لمحے چڑاسی اندر داخل ہوا۔

”رانا نور صاحب کو بلا لاؤ“ سلام صاحب نے کہا اور چڑاسی سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی بیزار شخصیت اندر داخل ہوئی اس نے عمران کو وہاں بیٹھے دیکھ کر برا سامنہ بنایا لیکن بغیر کچھ کہے وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے۔ آپ نے مجھے بلایا ہے۔ ان صاحب نے شکایت کی ہوگی۔ کرتے رہیں شکایت۔ میرا کیا بگاڑ لیں گے یہ یا آپ“ رانا نور نے اسی طرح اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

”رانا صاحب سلام صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ لارڈ میسر صاحب نے آپ کو بطور سزا یہاں بھیجا ہے۔ کیا شکایت تھی آپ کے خلاف ان کو“ ... عمران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”شکایت کیا ہوئی تھی۔ میں نے کون سا پہاڑ توڑ دیا تھا ان پر۔ اپنے کسی سفارشی کو جگہ دینی تھی۔ دے دی اور مجھے یہاں پھینکوا دیا“ ... رانا نور نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

جواب دیا گیا۔

”خدمت تو واقعی انتہائی بھرپور انداز میں ہو رہی ہے کہ محمول چومگی کے سپروائزر صاحب کے خلاف شکایت کی گئی تو آپ نے اسے بطور نرہاہاں لائبریری میں تعینات کر دیا اور اب وہ یہاں آنے والوں سے اس لئے لڑ رہے ہیں کہ تاکہ ان کے خلاف شکایت ہو تو ان کی جان یہاں سے چھوٹ جائے۔ ویسے آپ نے بڑی زیادتی کی ہے کہ انہیں یہاں لائبریری میں بھجوا دیا ہے۔ جہاں اہل علم علم کی پیاس بجھانے آتے ہیں اور ان کا واسطہ پڑ جاتا ہے رانا نور صاحب جیسے لوگوں سے۔“

عمران نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔
”کیا۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ مذاق تو نہیں کر رہے۔“ لارڈ میر نے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔
”رانا نور صاحب میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو ان کے خلاف کوئی شکایت تھی تو آپ انہیں معطل کر کے انکواری کراتے۔ یہ کیا سزا ہوئی کہ ان کی پوسٹنگ لائبریری میں کر دی۔ کیا آپ کی نظر میں لائبریری جیل کا درجہ رکھتی ہے۔“

عمران نے تلخ ہو گیا۔
”اوہ سوری عمران صاحب مجھے واقعی معلوم نہیں ہے۔ یہ یقیناً کسی سرنٹنڈنٹ کا کام ہوگا۔ بہر حال میں انکواری کرتا ہوں۔ آئندہ ایسی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ واقعی یہ اہل علم کے ساتھ زبردست زیادتی ہے کہ ایک چومگی سپروائزر کو لائبریری لگا دیا جائے۔ کیا نام بتایا ہے

۔ کون علی عمران۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے پہلے سے بھی زیادہ کراخت لہجے میں کہا گیا۔

”اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل سنرل انٹیلی جنس بیورو۔۔۔۔۔ عمران نے سرد لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جج۔ جج۔ جج صاحب ہولڈ کیجئے صاحب۔“ اس بار دوسری طرف سے پی اے کا لہجہ بھیک مانگنے والوں جیسا ہو گیا تھا اور یہی حال سلام اور ان رانا نور صاحب کا بھی ہوا تھا۔ وہ بے اختیار مودب نظر آنے لگ گئے تھے۔

”یس کون صاحب۔۔۔۔۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف سے ایک بھاری اور باوقار آواز سنائی دی۔

”علی عمران بول رہا ہوں۔ آپ سے ایک سال پہلے سر سلطان سیکرٹری وزارت خارجہ کی رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی تھی۔“ عمران نے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ ہاں ہاں مجھے یاد آگیا۔ فرمائیے آج کیسے فون کیا ہے۔“ دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا۔

”میں یہاں میونسپل لائبریری سے بول رہا ہوں۔ اس لائبریری کا انتظام آپ کے پاس ہے۔ میں اس انتظام کی تعریف کرنا چاہتا تھا۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی بے حد شکریہ۔ ہماری تو ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ لوگوں کی بھرپور انداز میں خدمت کی جائے۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے

ہیں۔..... سلام نے کہا۔

”ٹھیک ہے مل لیتا ہوں۔..... رانا نے اسی طرح منہ بناتے ہوئے کہا اور اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ صاحب آپ نے واقعی اس لائبریری اور اس میں آنے والوں پر احسان کیا ہے۔ ورنہ ہمارے لئے تو یہ رانا صاحب ایک لائنل مسئلہ بن گئے تھے۔ آپ فرمائیے آپ کیا پینا پسند کریں گے۔..... سلام نے بڑے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”سوری پہلے ہی کافی وقت ضائع ہو گیا ہے۔ مجھے آج سے چھ سال پہلے کے اخبارات دیکھنے تھے۔..... عمران نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔“ اوہ آئیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔..... سلام نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ عمران کے ساتھ ہی اس سیکشن میں پہنچا۔ عمران نے وہاں موجود اسسٹنٹ کو وہ حتمی تاریخ بتائی جس روز مراد غائب ہوا تھا اور اس تاریخ سے چند روز پہلے کے اخبارات طلب کیے تھوڑی دیر بعد اخبارات اسے مہیا کر دیئے گئے اور عمران اس کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ ہیڈ لائبریرین واپس چلے گئے تھے۔ لیکن چند لمحوں بعد اسسٹنٹ نے مشروب کی ایک بوتل عمران کے سامنے لا کر رکھ دی اور پھر اس سے پہلے کہ عمران چونک کر کچھ کہتا وہ واپس چلا گیا۔ عمران نے مسکراتے ہوئے بوتل اٹھائی اور اسے سپ کرنے لگا۔ وہ اخبارات کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کر رہا تھا۔ پھر جو تھے روز کے ایک مقامی اخبار میں اس کی نظریں جیسے ہی ایک خبر پڑی وہ بے

آپ نے رانا نور۔..... دوسری طرف سے معذرت بھرے لہجے میں کہا گیا۔

”ہاں رانا نور اور یہ بھی سن لیں لارڈ میئر صاحب کہ آئندہ اگر ایسی کوئی مثال سامنے آئی تو پھر مجھے انتہائی اعلیٰ سطح پر اس سلسلے میں بات کرنی ہوگی۔..... عمران نے تلخ لہجے میں کہا۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں خاص طور پر خیال رکھوں گا۔ آپ ان رانا نور صاحب سے سیری بات کرائیں۔..... لارڈ میئر نے انتہائی معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہیڈ لائبریرین صاحب سے بات کر لیں جن کے ان رانا نور صاحب کے خلاف شکایات سنتے سنتے کان پک گئے ہیں انہوں نے آپ کو لکھ کر بھی بھیجا تھا۔ لیکن آپ نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔“ عمران نے اسی طرح سخت لہجے میں کہا اور رسیور سلام صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

”جی۔ جی۔ صاحب۔ میں ہیڈ لائبریرین بول رہا ہوں جناب۔“ سلام صاحب نے انتہائی مؤدبانہ لیکن کلپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”رانا نور کو فوراً ہدایت کریں کہ وہ ابھی اور اسی وقت میرے دفتر آجائے۔..... دوسری طرف سے انتہائی سخت لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ سلام صاحب نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے رسیور کر یڈل پر رکھ دیا۔

”رانا صاحب آپ کو لارڈ میئر صاحب اپنے آفس میں ملنا چاہتے

کار دار اٹکو مت کے ایک پرانے محلے کی سگ اور ٹونی پھونی سڑک پر اٹھتی ہوئی آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ سیرنگ پر چوہان تھا جب کہ سائیڈ سیٹ پر صدیقی بیٹھا ہوا تھا۔ عقبی سیٹ پر نعمانی اور خادر موجود تھے۔

۔ تمہیں یقین ہے چوہان کہ کرمو کا تعلق بردہ فروشوں سے ہے۔۔۔ صدیقی نے سیرگی پر بیٹھے ہوئے چوہان سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ چاروں اس وقت مقامی میک اپ میں تھے۔ ان کے جسموں پر عام سے لباس تھے۔ انہوں نے میک اپ بھی عام ید معاشوں جیسے ہی کئے ہوئے تھے۔

”ہاں مجھے ایک خاص آدمی نے بتایا ہے..... چوہان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ بچے اغوا کر کے اور انہیں فروخت کر کے کیا کرتے ہیں۔“

کمپنی کی طرف سے بنایا گیا تھا۔ اس پر اس کا اشتہار پینٹ کیا گیا تھا۔
لیکن یہ کاؤنٹر اس قدر گندہ ہو رہا تھا کہ اسے دیکھنے کو بھی جی نہ چاہ رہا
تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک موٹی تو نند والا آدمی ایک سٹول پر چڑھا بیٹھا
ہوا تھا۔ موٹا سا پیٹ اس نے کاؤنٹر پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر
بڑی مکروہ سی مسکراہٹ جیسے مثبت نظر آتی تھی۔

”کر مو دادا کون ہے“ صدیقی نے اس موٹے پیٹ والے
کاؤنٹر میں سے مخاطب ہو کر کہا۔

”بھلے بتاؤ کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو۔“
اس موٹے پیٹ والے نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”میرا نام ڈمپو ہے اور یہ میرے ساتھی ہیں۔ ہم مکرات سے آئے
ہیں۔ ہمیں کر مو دادا سے انتہائی ضروری کام ہے“..... صدیقی نے
جواب دیا۔

”یو لو کیا کام ہے میرا نام کر مو ہے“..... اس موٹے پیٹ والے
نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بڑے سودے کی بات کرنی ہے۔ کیا ہمیں کاؤنٹر پر ہی ہوگی۔“
صدیقی نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”بڑا سودا۔ کس قسم کا سودا کھل کر بات کرو“..... کر مونے
حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”پچاس پلے چاہئیں“۔ صدیقی نے آواز دبا کر بات کرتے ہوئے کہا۔
”پلے۔ کیا مطلب“..... کر مونے بری طرح چوہکتے ہوئے کہا۔

عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے خاور نے کہا۔

”اس آدمی نے بتایا تھا کہ پاکیشیا کے شمالی پہاڑی علاقے میں جعلی
مال تیار کرنے والی بڑی بڑی فیکٹریاں لگی ہوئی ہیں جو ہر چیز کی نقل تیار
کر کے اسے انتہائی منظم طریقے سے پاکیشیا میں پھیلا دیتے ہیں۔ ان
فیکٹریوں میں وہ ان بچوں سے یہ گار لیتے ہیں“..... چوہان نے جواب دیا۔
”دری بیڈ یہ تو انتہائی ظلم ہے۔ ایک تو مال نقلی تیار کرنا جرم ہے
پھر ان بچوں کا اغوا۔ یہ تو انتہائی بھیانک مجرم ہیں“..... خاور نے کہا
اور باقی ساتھیوں نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد کار ایک
چوک پر پہنچ کر رک گئی۔

”وہ سلمے ہوٹل ہے کر مو کا“..... چوہان نے چوک کے جنوبی
طرف ایک گھنٹا درجے کے ہوٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آؤ“..... صدیقی نے کہا اور کار سے نیچے اتر آیا۔ باقی ساتھی بھی
نیچے اترے اور پھر وہ چاروں تیز تیز قدم اٹھاتے اس گندے اور انتہائی
گھنٹا ہوٹل کی طرف بڑھنے لگے۔ جب وہ ہوٹل میں داخل ہوئے تو
وہاں غنڈے ٹائپ کے افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ گھنٹا سگریٹوں اور
منشیات کے دھوئیں سے ہوٹل کی فضا زہر آلود سی ہو رہی تھی۔ ہوٹل
کی حالت بھی بے حد گندی تھی۔ لیکن وہاں موجود لوگ اس طرح
اطمینان سے بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے ہنس بول رہے
تھے جیسے وہ اس گندے ہوٹل کی بجائے کسی اعلیٰ ہوٹل میں بیٹھے
ہوئے ہوں۔ ایک طرف کاؤنٹر سا تھا۔ جو کسی مشروب بنانے والی

۔ مطلب تو تم اچھی طرح جانتے ہو کرمو دادا بڑا خان تو تمہاری تعریفیں کر رہا تھا کہ کھرا کام کرنے والا ہے۔۔۔ صدیقی نے جواب دیا۔

۔ اود۔ اود۔ اچھا تو بڑے خان نے تمہیں بھیجا ہے۔ اودہ تو یوں کہو ناں۔ لیکن کوئی نشانی بھی لے آئے ہو۔ کرمو نے جلدی سے کاؤنٹر پر رکھا ہوا پیٹ ہٹا کر سنول سے اترتے ہوئے کہا۔ اب اس کے کاندھے صرف کاؤنٹر کے باہر تھے۔ باقی جسم کاؤنٹر کے اندر چھپ گیا تھا۔

۔ نشانی بھی مل جائے گی۔ صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کرمو دادا نے اثبات میں سر ہلادیا اور پھر کسی شرفو کو اس نے آواز دی۔ دوسرے لمحے ایک لمبا بڑا غنڈہ کہیں سے نمودار ہو کر کاؤنٹر کے پاس پہنچ گیا۔

۔ تم کاؤنٹر سنبھالو شرفو میں ذرا ان لوگوں سے دو چار باتیں کر لوں۔ کرمو دادا نے کاؤنٹر کے پیچھے سے نکلتے ہوئے اس آدمی سے کہا۔

۔ ٹھیک ہے دادا۔ شرفو نے جواب دیا اور کاؤنٹر کے پیچھے چلا گیا۔

۔ آؤ جی۔ کرمو دادا نے صدیقی اور اس کے ساتھیوں سے کہا اور پھر سائیڈ میں موجود ایک پتلی سی راہداری میں گھس گیا۔ موٹی تو ند اس کے چلتے ہوئے مسلسل ہل رہی تھی۔ لیکن کرمو دادا کی چال میں خاص تیزی اور مستعدی تھی۔ راہداری کے آخر میں ایک دروازہ تھا

جسے کرمو دادا نے کھولا اور پھر وہ انہیں اپنے پیچھے اندر آنے کا اشارہ کرتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ صدیقی اور اس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ یہ کمرہ بھی انتہائی گندہ سا تھا۔ اس میں ایک میز اور اس کے گرد چھ سات پرانی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

۔ بیٹھو اور چٹلے مجھے بڑے خان کی نشانی دکھاؤ تاکہ کھل کر بات ہو سکے۔ کرمو دادا نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

۔ نشانی یہی ہے کہ کرمو دادا کہ بڑے خان نے کہا تھا کہ اس کا نام لے ونا بس کافی ہے۔ صدیقی نے جواب دیا۔

۔ ہونہر اچھا تو بوا۔ کیا بات ہے۔ کرمو دادا کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

۔ پچاس پلے چاہئیں۔ بتایا تو ہے۔ صدیقی نے جواب دیا۔

۔ لیکن میں نے یہاں کتوں کا فارم تو نہیں کھول رکھا کہ تم پلے مانگنے آگئے ہو۔ یہ تو ہو مل ہے۔ کرمو دادا نے اکٹڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

۔ اس کا مطلب ہے کہ تم ہم پر اعتبار نہیں کر رہے تو ٹھیک ہے مت کرو۔ ہم کسی اور سے بات کر لیتے ہیں۔ صدیقی نے منہ بنا کر کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھی بھی کمرے ہو گئے۔ صدیقی دروازے کی طرف مڑا۔ لیکن ابھی اس نے قدم بڑھائے ہی تھے کہ کرمو دادا بول پڑا۔

۔ آجاؤ۔ اب مجھے یقین آگیا ہے۔ آجاؤ۔ کرمو دادا نے کہا اور

”ہاں ایسا تو ہو سکتا ہے۔ کم از کم پارٹی کچھ تو مطمئن ہو جائے گی۔“..... صدیقی نے کہا۔

”دس سے کام چل جائے گا فوری طور پر۔“ کرمودادانے کہا۔
”دس تو تھوڑے ہیں پچیس تو دو۔“..... صدیقی نے کہا۔

”اس سے زیادہ ہم رکھتے ہی نہیں۔ آرڈر بھی زیادہ سے زیادہ دس پندرہ کا ہی ہوتا ہے۔ تم پہلے آدمی ہو چو پچاس اکٹھے مانگ رہے ہو۔ کیا نئی فیکٹری کھولی ہے تمہاری پارٹی نے۔“..... کرمودادانے کہا۔

”ہمیں کسی فیکٹری سے کوئی مطلب نہیں۔ ہماری پارٹی نے آرڈر دیا ہے اور ہم نے اسے سپلائی کرنے ہیں۔ چلو دس ہی سہی باقی کب تک ہو جائیں گے۔“..... صدیقی نے پوچھا۔

”بتایا تو ہے۔ ایک ماہ لگے گا۔“..... کرمودادانے کہا۔

”نہیں ایک ماہ تو بہت لمبا عرصہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی بات کرو۔“..... صدیقی نے کہا۔

”نہیں اس قدر تیز رفتاری سے بچے اغوا ہونے شروع ہو جائیں تو لوگ چیخ پڑتے ہیں اور پھر پولیس کی کارروائی تیز ہو جاتی ہے۔ بہت ہی کم ہو تو بیس روز تو بہر حال لگ ہی جائیں گے۔“..... کرمودادانے کہا۔
”چلو دس روز کر لو۔ باقی چالیس پلے ہی تو دینے ہیں تم نے۔ کون سا سینکڑوں ہزاروں کی بات ہو رہی ہے۔“..... صدیقی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”چلو تمہارے لئے پندرہ دن۔ بس اس سے کم نہیں ہو سکتا۔ اس

صدیقی واپس پلٹ پڑا۔

”یہ لفظ سننے کے بعد تمہیں یقین آ جانا چاہئے تھا۔ تم خود جانتے ہو کہ یہ لفظ اغوا شدہ بچوں کے لئے وہی استعمال کرتے ہیں تو اس بزنس میں ہوتے ہیں۔“..... صدیقی نے منہ بناتے ہوئے کہا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے باقی ساتھی بھی خاموشی سے بیٹھ گئے۔

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں معلوم تو ہے کہ سرکاری لوگ ہمارے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ بہر حال بتاؤ کتنی عمر کے چاہئیں اور کب۔“..... کرمودادانے اس بار مکروہ سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔
”درمیانی عمر کے اور آج ہی۔“..... صدیقی نے کہا۔

”آج۔ تو کیا واقعی تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں نے ان کا فائدہ کھول رکھا ہے۔“..... کرمودادانے ایک بار پھر بگڑ گیا تھا۔

”ہمیں تو یہی بتایا گیا تھا کہ تمہارے پاس ہر وقت سناک موجود رہتا ہے۔“..... صدیقی نے جواب دیا۔

”سناک۔ میرا دماغ تو غراب نہیں ہے کہ ان کا سناک رکھوں میں تو آرڈر پر کام کرتا ہوں۔ آرڈر دے جاؤ رقم پوری ایڈوانس اور مال ایک مہینے بعد ملے گا۔“..... کرمودادانے کہا۔

”پھر تم سے بات نہیں ہو سکتی۔“..... صدیقی نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”بچتے ہوں ڈمپو۔ اتنے تو لے لیں۔ باقی بعد میں سپلائی کر دیں گے۔“..... اس بار چوہان بول پڑا۔

”او کے ٹھیک ہے سات ہمیں منظور ہیں۔ لیکن دس پلے ابھی میرے حوالے کرنے ہوں گے۔“ صدیقی نے کہا۔

”ہاں لے لو۔ ہم نے ان کا اپنا تو نہیں ڈالنا۔ لیکن رقم پہلے دو۔“ کرموداوانے کہا اور صدیقی نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور بڑے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میز پر رکھنی شروع کر دیں۔ یہ چار گڈیاں تھیں چار لاکھ روپے دیکھ کر کرموداوانے آنکھوں میں ہنک اٹھ آئی۔ اس نے ہاتھ بڑھانا چاہا۔ لیکن صدیقی نے گڈیوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”نہیں پہلے وہ دس پلے دکھاؤ۔ ہو سکتا ہے کمزور اور بیمار ہوں۔ رقم اس لئے باہر نکالی ہے تاکہ تم دیکھ لو۔“ صدیقی نے کہا اور گڈیاں دوبارہ اٹھا کر جیب میں رکھنا شروع کر دیں۔

”ٹھیک ہے آؤ کوئی سواری ہے تمہارے پاس۔“ کرموداوانے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں کار ہے۔“ صدیقی نے کہا۔

”آؤ۔“ کرموداوانے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”شرفو میں آ رہا ہوں خیال رکھنا۔“ کرموداوانے کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے نوجوان سے کہا اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ان کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ صدیقی نے اسے فرنٹ سائیڈ سیٹ پر بٹھایا تھا جبکہ وہ خود عقبی سیٹ پر چلا گیا تھا۔

”کہاں جانا ہے۔“ چوہان نے جو سٹیرنگ پر تھا کار موڑتے ہوئے کہا۔

”کے بعد تمہاری مرضی۔“ کرموداوانے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ اب ریٹ بتاؤ۔ لیکن خیال رکھنا کہ ہم بڑا سودا کر رہے ہیں اور یہ پہلا سودا ہے تمہارے ساتھ۔ اس کے بعد نبھانے اور کھینے بڑے سودے ہوں گے۔“ صدیقی نے کہا۔

”دس ہزار فی پلا اور کسی بات کی فکر مت کرنا۔ پلا صحت مند ہوگا۔“ کرموداوانے کہا۔

”آخری بار کہہ رہا ہوں کرموداوا لینے دینے کی بات کر دو۔ جو آخری بات ہو وہ بتا دو اگر ہمیں منظور ہوگا تو رقم پچاس پلوں کی ایڈوانس دے دیں گے۔ نہ منظور ہوگا تو خاموشی سے اٹھ کر چلے جاتیں گے۔ تم اپنی جگہ خوش ہم اپنی جگہ خوش۔“ صدیقی نے کہا۔

”تم واقعی بڑے سخت لوگ ہو۔ ٹھیک ہے۔ آخری بات کر رہا ہوں اس سے ایک پیسہ بھی کم نہ لوں گا۔ سات ہزار روپے فی پلا۔“ کرموداوانے کہا۔

”سات نہیں پانچ بولو۔ اگر منظور ہو تو دوں ڈھائی لاکھ روپے۔“ صدیقی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

”نہیں ایک پیسہ بھی اس سے کم نہیں ہو سکتا۔ ہم دس سے کم کسی صورت بھی نہیں دیتے۔ ہمیں آگے بھی دینا ہوتا ہے۔ پھر ان کی خوراک وغیرہ کا خرچہ بھی ہوتا ہے۔ پولیس والوں کا منہ بھی بند کرنا پڑتا ہے۔ کتنا کام ہے یہ۔ درد سہی زیادہ ہے آمدنی کم ہے۔ لیکن اب کیا کیا جائے۔ کام تو کرنا ہی ہے۔“ کرموداوانے کہا۔

کر لی ہے۔" ... کرمو دادا نے کہا۔

۔ ٹھیک ہے اگر تم مطمئن ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ آؤ۔۔۔ جاؤ۔
نے کہا اور پھر ڈیرے کے بیرونی دروازے کی طرف چل پڑا۔ کرمو دادا
اس کے پیچھے چل پڑا۔ صدیقی اور اس کے ساتھی بھی ساتھ چل پڑے۔
ڈیرے کے عقبی طرف ایک بڑا رہائشی مکان ساتھ جس کا دروازہ بند تھا
جامو نے دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی۔ تو دروازہ کھلا اور
ایک اور غنڈہ نا آدمی باہر آگیا۔

۔ اوہ کرمو دادا تم اور یہاں۔۔۔ آنے والے نے چونک کر کہا اور
پھر حیرت سے صدیقی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے لگا۔

۔ ہاں دس پلوں کا سودا کیا ہے۔ باقی چالیس پندرہ دن میں دینے
ہیں۔ یہ مال دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ساتھ آنا پڑا۔۔۔۔۔ کرمو دادا
نے کہا۔

۔ مال تو ایک نمبر ہے۔۔۔۔۔ اس آدمی نے کہا اور واپس مڑ گیا۔
اندر ایک وسیع صحن تھا جس کے بعد برآمدہ تھا اور اس کے پیچھے کمروں
کے دروازے تھے۔ مکان خالص دہاتی تھا۔ برآمدے میں دو آدمی
موجود تھے جن کے کاندھوں سے مشین گنیں لٹکی ہوئی تھیں۔

۔ بڑے کمرے کا دروازہ کھولو۔۔۔۔۔ آنے والے نے برآمدے میں
موجود ایک آدمی سے کہا اور وہ سر ہلاتا ہوا مڑا اور ایک بند دروازے کی
طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے میں لگا ہوا تالا کھولا اور کنڈی کھول
کر اس نے دروازے کو دھکیلا اور کھول دیا۔

۔ لعل کالونی چلو۔۔۔۔۔ کرمو دادا نے کہا تو چوہان نے سر ہلا دیا۔ پھر
تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایک مضافاتی کالونی میں پہنچ گئے جو ابھی پوری
طرح آباد نہ ہوئی تھی۔ کہیں کہیں مکانات بنے ہوئے تھے۔ پھر اس
کالونی کا خاتمہ ہو گیا اور کار کھیتوں کے درمیان کچی سڑک پر آگے بڑھتی
چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک کچے سے دہاتی ڈیرے میں پہنچ گئے۔
جہاں چار غنڈے ٹائپ آدمی چار پائیسوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن ان
کے جسموں پر دہاتی لباس ہی تھے۔ لیکن شکل و صورت سے وہ چھٹے
ہوئے غنڈے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے
کرمو دادا کو کار سے اترتے ہوئے دیکھا ان کے چہروں پر اطمینان کے
آثار ابھر آئے۔

۔ وہ دس پلے کہاں ہیں جامو گانگوں کو لے آیا ہوں۔۔۔۔۔ کرمو دادا
نے کہا۔

۔ موجود ہیں دادا۔ کیا سب دینے ہیں یا ان میں سے چھانٹنے
ہیں۔۔۔۔۔ ایک آدمی نے کہا۔

۔ ان کی مانگ تو پچاس کی ہے۔ رقم ایڈوانس دے رہے
ہیں۔۔۔۔۔ کرمو دادا نے جواب دیا۔

۔ پچاس۔ اوہ لیکن دادا نئے لوگ ہیں۔۔۔۔۔ اس آدمی نے بڑی
مشکوک نظروں سے صدیقی اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔

۔ ہاں لیکن بڑے خاں کی نشانی لے کر آئے ہیں۔ میں نے چیکنگ

گئے۔ یہ بتاؤں کہ ہم انہیں قہارے حوالے کرنے کے بعد کسی بات کے ذمہ دار نہ ہوں گے اور نہ بعد میں ہم اسے تسلیم کریں گے کہ تم نے یہ پلے یہاں سے حاصل کئے ہیں..... کرمودا دانے کہا۔

”ظاہر ہے ایسا ہی ہونا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قہارے آدمیوں کو دیکھ کر میں مایوس ہو گیا ہوں اگر ایک ہفتے میں انہوں نے دس پلے پکڑے ہیں تو پندرہ دنوں میں یہ چالیس کیسے پکڑ لیں گے میرا خیال ہے کہ ان سے دس کا ہی سودا کر لیا جائے باقی کے لئے کسی اور پارٹی سے بات کی جائے“ صدیقی نے کہا۔

”باقی پارٹیوں کے پاس تو اتنے پلے چھ ماہ میں بھی اکٹھے نہ ہو سکیں گے یہ تو صرف جامو کا کام ہے زیادہ تر سپلائی یہی کرتا ہے..... کرمودا دانے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے ایسا ہی ہو گا آؤ ادھر ذرے میں بیٹھ کر باتیں ہوں گی“ صدیقی نے کہا اور پھر اس مکان سے نکل کر وہ واپس ذرے میں پہنچ گئے جامو بھی ان کے ساتھ ہی آگیا تھا۔

”کرمودا دا اور جامو کے علاوہ باقی لوگ تو فالتو ہی ہیں“ اچانک صدیقی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تو سب نے سر ہلا دیئے۔

”کیا مطلب..... کرمودا دانے چونکتے ہوئے کہا لیکن دوسرے لمحے ذرہ ٹھک ٹھک کی آوازوں سے گونج اٹھا وہاں موجود چار آدمی بغیر کوئی آواز نکالے زمین پر گرے اور چند لمحے تڑپنے کے بعد ساکت ہو گئے گولیاں ان کی کھوپڑیوں میں گھس گئی تھیں۔

”آؤ دیکھ لو اپنا مال“ کرمودا دانے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ صدیقی اور اس کے ساتھی اس بڑے کمرے میں داخل ہوئے تو کمرے میں خشک گھاس بچھا ہوا تھا اور وہاں واقعی سات سال سے لے کر بارہ تیرہ سال کے شہری بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیروں میں زنجیریں باندھی گئی تھیں۔ ان کے چہروں پر شدید خوف تھا۔ کمرے میں شدید بوسہ تھی۔ بچوں کے جسموں پر پھٹے ہوئے کپڑے تھے اور معصوم سے چہرے بری طرح کھلائے ہوئے تھے۔

”کمرے ہو جاؤ کتے کے پلو کمرے ہو جاؤ“ دروازہ کھولنے والے نے انتہائی گرجدار آواز میں کہا تو وہ دس کے دس بچے اٹھ کر کمرے ہو گئے۔ لیکن ان میں سے اکثر سسکنے لگے۔

”خبردار اگر منہ سے آواز نکلی تو گردن کاٹ دوں گا“ اس آدمی نے اور زیادہ گرجدار لہجے میں کہا۔

”دیکھو ڈمپو۔ کیسے صحت مند پلے ہیں۔ ہیں ناں“ کرمودا دانے نے بڑے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”کتے دنوں سے پکڑے ہوئے ہیں..... صدیقی نے پوچھا۔

”تین چار روز کی پکڑ ہے“..... اس دروازہ کھولنے والے نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آؤ باہر“..... صدیقی نے مطمئن سے انداز میں کہا اور بیرونی دروازے کی طرف مڑ گیا سجدہ لکھوں بعد وہ باہر صحن میں آگئے تاب رقص وے دو اور ہاں ان پلوں کو کس طرح لے جانا پسند کرد

”خبردار ذرا بھی حرکت کی تو گولی جسم میں اتر جائے گی۔“ صدیقی اور خاور نے بیک وقت کہا۔ ان دونوں کے سائیلنسر لگے مشین پستل کر مو دادا اور جامو کی گردن کی پشت پر جے ہوئے تھے اسی لمحے اچانک جامو نے تیزی سے مڑ کر مشین پستل پر ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن دوسرے لمحے وہ بری طرح جھٹکا ہوا اچھل کر ایک دھماکے سے نیچے گرا خاور نے اس کے حرکت کرتے ہی بازو گھما کر اس کی کنسٹی پر مڑی ہوئی ٹنگی کا ہک ہڑ دیا تھا جب کہ اس کے گرتے ہی کر سونے بھی بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کا بھی حشر یہی ہوا اور پھر صدیقی اور خاور دونوں نے چند لمحوں میں ان کی کنسٹیوں پر ضرب لگا کر انہیں بے ہوش کر دیا۔

”تم یہیں ٹھہرو میں اور خاور دوسروں کا خاتمہ کر آئیں۔“ صدیقی نے چوہان اور نعمانی سے کہا اور پھر وہ خاور سمیت تیزی سے چلتے ہوئے ڈیرے سے نکلے اور عقیبی طرف مکان کی طرف بڑھ گئے دروازہ بند تھا۔

”میں اسے باہر نکالوں گا تم اندر جا کر فائر کھول دینا۔“ صدیقی نے خاور سے کہا اور خاور نے اثبات میں سر ہلادیا صدیقی نے دروازے پر اسی طرح مخصوص انداز میں دستک دی جیسے پہلے جامو نے دی تھی اور پھر وہ دونوں سائیڈوں پر ہٹ کر کھڑے ہو گئے دوسرے لمحے دروازہ کھلتا تو صدیقی نے بجلی کی سی تیزی سے اس آدمی کی گردن پر ہاتھ ڈالا اور اس کے ساتھ ہی وہ آدمی جھٹکا ہوا اچھل کر سامنے ایک طرف جا گرا خاور بجلی کی سی تیزی سے اندر داخل ہوا وہ آدمی نیچے گر کر ابھی اٹھنے کی کوشش کے لئے جسم کو سمیٹ ہی رہا تھا کہ صدیقی نے اس پر فائر

کھول دیا اور پلک تھپکنے میں اس کی کھوپڑی میں سوراخ ہو گئے اندر سے بھی ٹھک ٹھک کی آوازوں کے ساتھ ہی اندر موجود افراد کے گرنے کے دھماکے سنائی دیئے اور پھر خاور باہر آگیا۔

”دو آدمی تھے دونوں کو ختم کر دیا ہے۔“ خاور نے کہا۔

”اس کو بھی کھینچ کر اندر لے جا کر ڈال دو۔“ صدیقی نے کہا اور خاور نے تھک کر اس آدمی کی لاش کی ٹانگ پکڑی اور پھر اسے گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا صدیقی بھی اس کے پیچھے اندر آگیا۔

”ان بچوں کو بھی نکالا جائے۔“ خاور نے کہا۔

”ہاں لیکن میرا خیال ہے پہلے اس کر مو اور جامو دونوں سے اس گمروہ ترین دھندے کی باقی پارٹیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کر لی جائے۔“ صدیقی نے کہا۔

”لیکن ان بچوں کا کیا کریں گے انہیں کیسے ان کے گمروہ تک پہنچایا جائے گا خدا کی پناہ اس قدر ظالم اور سفاک لوگ بھی اس دینا میں بستے ہیں نجانے میں نے کس طرح برداشت کیا ہے ورنہ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ ان سب کی بوئیاں ازا دوں۔“ خاور نے کہا۔

”یہ بڑا گینگ ہے خاور ایک دو کے مرنے سے کچھ نہیں ہو گا باقی رہے بچے تو ان کی فکر مت کر دیہاں ایک فلاحی ادارہ ہے بچے ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے وہ انہیں بحفاظت ان کے والدین کے پاس پہنچا دیں گے آؤ پہلے ان دونوں سے پوچھ گچھ کر لیں ویسے میرا تو جی چاہتا ہے کہ ان دونوں کو اٹھا کر ہیڈ کوارٹر لے جایا جائے اور ان کی بوئیاں

ٹو سنکل ٹو سنکل لٹل سٹار بچوں کی ہی نظم ہے اور... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بچے کیا مطلب شادی سے پہلے ادھ بڑا جدید دور آگیا ہے اور“۔
عمران نے چونکتے ہوئے لہجے میں کہا تو صدیقی بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑا اور پھر اس نے چوہان کی اطلاع سے لے کر کرمودا داکے، ٹوٹل اور پھر وہاں سے لعل کاؤنی کے عقب میں اس ڈیرے تک پہنچنے اور وہاں دس بچوں کی قید سے لے کر ان آدمیوں کے خاتمے تک پوری تفصیل بتادی۔

”ادھ ادھ۔ ویری بیڈ اس قدر مکروہ و خندہ۔ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں اور“۔ عمران کے لہجے میں شدید تاسف موجو تھا۔

”میرا خیال ہے عمران صاحب کہ یہ کام بہت سی پارٹیاں کر رہی ہیں اس لئے اس کرمودا اور جامو کو ہم ہیڈ کوارٹر کر لے جائیں تاکہ ان سے ذرا تفصیلی پوچھ گچھ ہو سکے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ دس بچوں کو بھی ساتھ لے آنا ہے اور ہمارے پاس ایک ہی کار ہے اور“۔ صدیقی نے کہا۔

”مجھے تفصیل سے جگہ بتاؤ میں خود آ رہا ہوں میں ان سے خود پوچھ گچھ کروں گا اور“۔ عمران نے کہا اور صدیقی نے تفصیل سے اسے بتا کر ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

”عمران صاحب آ رہے ہیں میرا خیال ہے اب بچوں کو بھی یہیں لے آئیں“۔ صدیقی نے ٹرانسمیٹر آف کر کے اسے جیب میں ڈالتے

اڑادی جائیں... صدیقی نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

”میرا بھی دل یہی کہہ رہا ہے لیکن ان مکروہ لوگوں کو میں اب کلا میں اپنے ساتھ برداشت نہ کر سکوں گا“۔ خاور نے کہا۔

”ادھ۔ ایک منٹ میرے پاس ٹرانسمیٹر ہے عمران صاحب سے کیوں نہ بات کر لی جائے ہو سکتا ہے وہ انہیں زندہ رکھنا چاہیں۔“ صدیقی نے واپس ڈرے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے کر لو بات“۔ خاور نے کہا اور صدیقی نے جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا اور اس پر عمران کی فریکوئنسی ایڈجسٹ کر کے اس نے بٹن دبایا۔

”ہیلو چیف آف فور سٹار ز کالنگ اور“۔ صدیقی نے بار بار کال دینا شروع کر دی۔

”یس ٹو سنکل سٹار اسٹنڈنگ یو اور“۔ اچانک عمران کی چٹکت ہوئی آواز سنائی دی۔

”یہ نام آپ نے واقعی خوبصورت اور حسب حال چنا ہے عمران صاحب اور“۔ صدیقی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اب کیا کروں نہ سپر سٹار بن سکتا ہوں نہ ففٹی سٹار نہ بلیک سٹار نہ وائٹ سٹار یہ تو بس اچانک ہی ذہن میں نام آگیا ہے اور“۔ عمران کی زبان رواں ہو گئی۔

”آپ کے ذہن میں ٹو سنکل سٹار درست آیا ہے اس لئے کہ جس کام کے لئے میں نے کال کی ہے اس کا تعلق بھی بچوں سے ہی ہے اور یہ

ہوئے کہا۔

”ہاں میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں“..... خاور نے کہا اور صدیقی سر ملاتا ہوا باہر کی طرف مڑ گیا خاور اس کے پیچھے تھا مکان میں داخل ہو کر وہ برآمدے کو کر اس کر کے اس دروازے تک پہنچے جواب دوبارہ بند کر دیا گیا تھا لیکن اب تالے کی بجائے کنڈی لگی ہوئی تھی صدیقی نے ہاتھ بڑھا کر کنڈی کھولی اور پھر دروازہ کھول کر وہ دونوں اندر داخل ہو گئے بچے جو سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے انہیں دیکھ کر چونک پڑے اور یکھٹ بہم سے گئے تھے۔

”خدا نے تمہاری سن لی ہے ننھے فرشتو ہم تمہیں یہاں سے آزاد کر کے تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچانے آئے ہیں“۔ صدیقی نے آگے بڑھ کر بچوں کے سر پر شفقت بھرے انداز میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو بچے بے اختیار رونے لگے۔

”ہمیں کہیں مت لے جاؤ ہمیں ہمارے گھر پہنچا دو“۔ بچوں نے سسکتے ہوئے کہا۔

”گھبراؤ نہیں ایسا ہی ہو گا“..... صدیقی نے کہا اور پھر اس نے زنجیر کو دیوار میں لگے ہوئے ہک سے کھینچنا شروع کر دیا لیکن جب وہ نہ کھلی تو اس نے جیب سے مشین پشٹل نکالا اور پھر سٹاک سٹاک کی آوازیں کے ساتھ ہی زنجیر ٹوٹ گئی بچے مشین پشٹل دیکھ کر اور زیادہ زور سے رونے لگے تھے۔

”بہت خوفزدہ ہیں بچہ تمہیں ان کے ماں باپ کا کیا حال ہو

گا“..... صدیقی نے ایک ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا اور پھر خاور اور صدیقی دونوں نے مل کر ان سب بچوں کے پیروں سے زنجیریں کھول دیں۔

”آؤ ہمارے ساتھ اور خود دیکھ لو کہ ہم نے ان قالموں کا کیا حشر کیا ہے“۔ صدیقی نے کہا اور بچوں کو لے کر وہ جیسے ہی کمرے سے باہر آئے برآمدے میں دولا شیں پڑی دیکھ کر بچے خوف سے سمٹ سے گئے۔

”ڈرو نہیں۔ یہ وہ قالم لوگ ہیں جو تم پر ظلم کرتے تھے آؤ۔“

صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک چھوٹے بچے کو اٹھا کر اسے پیار کیا تو سارے بچوں کے خوف زدہ چہروں پر قدرے اطمینان کے تاثرات ابھرا آئے بچوں کو وہ لے کر ڈیرے پر آئے۔

”یہ بہت قالم ہے انکل۔ یہ ہمیں اس طرح مارتا تھا جیسے ہم پتھر کے ہوں یہ دیکھئے یہ میرا جسم“..... ایک بچے نے زمین پر بے ہوش پڑے ہوئے جامو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس نے قمیض اٹھا کر دکھائی تو اس کے پھول جیسے جسم پر سرخ لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔

”ان کا حشر انتہائی عبرت ناک ہو گا تم فکر نہ کرو“..... صدیقی نے کہا اور پھر اس نے بچوں سے ان کے گھروں کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا تھوڑی دیر بعد اسے اطمینان ہو گیا کہ سارے بچے دارالحکومت کی مختلف کالونیوں سے ہی پکڑے گئے تھے۔

”ہمارا ساتھی کار لے کر آ رہا ہے پھر ہم اکٹھے یہاں سے جائیں گے اور

تمہیں جہارے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ صدیقی نے کہا اور بچوں نے اثبات میں سر ہلا دیے اب ان کے چہروں پر گہرے اطمینان اور مسرت کے تاثرات آئے تھے شاید اب انہیں یقین آگیا تھا کہ وہ ٹھوڑے ہاتھوں میں پہنچ گئے ہیں۔

عمران جیسے ہی دانش منزل کے آپریشن روم میں داخل ہوا بلیک زبرد اسراراً اٹھ کھڑا ہوا۔

”عمران صاحب میرا خیال ہے کہ مجروحوں نے پاکیشیا آنے یا اس کے خلاف کام کرنے سے توبہ کر لی ہے کہ اب دور دور تک کسی کیس کا کوئی پتہ ہی نہیں ہے۔۔۔ سلام دعا کے بعد بلیک زیرو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”ہاں گلتا تو ایسا ہی ہے کہ اب ایکسٹو کی دہشت صرف اس کے سمیروں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ مجرموں پر بھی پڑ گئی ہے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ٹرانسمیٹر پر فریکوئنسی ایڈجسٹ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ بلیک زیرو مسکراتا ہوا اٹھا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

”ہیلو ہیلو عمران کالنگ اوور۔۔۔۔۔۔ فریکوئنسی ایڈجسٹ کرنے کے

- کتنی دیر لگے گی تمہیں اور عمران نے پوچھا۔

- باس زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ کیونکہ مجبوروں اور تمہانے والوں کا خاصا گنڈھ جوڑ ہوتا ہے۔ بس مجھے اس علاقے کے کسی بڑے بد معاش کے پاس جانا پڑے گا۔ معلومات مل جائیں گی اور ٹائیگر نے کہا۔
- اوکے۔ معلومات حاصل کر کے مجھے میری فریکوئنسی پر کال کر دو اور اینڈ آف۔ عمران نے کہا اور ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ اسی لمحے بلیک زیرو نے چائے کی ایک پیالی لا کر عمران کے سامنے رکھی اور دوسری ہاتھ میں پکڑے وہ اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ عمران نے ٹرانسمیٹر پر اپنی مخصوص فریکوئنسی ایڈجسٹ کی اور پھر چائے کی پیالی اٹھا لی۔

- کیا کوئی کیس شروع ہو گیا ہے بلیک زیرو نے پوچھا۔
- نہیں حق ہمسائیگی ادا کر رہا ہوں عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو بلیک زیرو چونک پڑا۔

- حق ہمسائیگی کیا مطلب بلیک زیرو نے حیران ہو کر پوچھا تو عمران نے اسے بچے کی آمد سے لے کر لائبریری جا کر اس خبر کے پڑھنے اور پھر ٹائیگر کو کال کرنے کی ساری باتیں مختصر طور پر بتا دیں۔
- اوہ تو آپ کا خیال ہے کہ یہ مخبری مراد صاحب نے کی ہو گی اور اس کی پاداش میں اسے غائب کر دیا گیا ہوگا بلیک زیرو نے کہا۔
- ابھی کوئی اندازہ تو نہیں لگایا جاسکتا۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بات ہے عمران نے جواب دیا۔

بعد عمران نے کال دینی شروع کر دی۔

- میں ٹائیگر اینڈنگ یو اور چند لمحوں بعد ہی ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔

- ایک تاریخ نوٹ کرو اور عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے آج سے چھ سال قبل کی ایک تاریخ دوہرا دی۔

- بیس باس اور دوسری طرف سے ٹائیگر نے جواب دیا۔

- اس تاریخ یا اس سے ایک روز پہلے تاریخ کرانٹ پولیس اسٹیشن پر پولیس نے برہہ فردوشوں کے ایک گروہ کو گرفتار کیا تھا۔ اخبار میں اس کی خبر بھی آئی تھی۔ اس خبر میں درج ہے کہ اس کی مخبری محکمہ سوشل و پلٹیفیر کے کسی افسر نے کی تھی تم نے تمہانے کے ریکارڈ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ طزم کون تھے۔ ان کے تفصیلی کوائف معلوم کرنے ہیں اور خاص بات یہ کہ وہ مخبر کون تھا۔ یہ ساری تفصیلات معلوم کرنی ہیں اور عمران نے کہا۔

- مخبر کے متعلق تو شاید معلوم نہ ہو سکے البتہ باقی تفصیلات معلوم ہو جائیں گی اور ٹائیگر نے جواب دیا۔

- کیوں اور عمران نے چونک کر پوچھا۔

- پولیس مخبروں کے نام ریکارڈ پر نہیں رکھتی۔ البتہ اس دور میں تمہانے کا جو انچارج ہو گا اسے ذاتی طور پر اس کا علم ہوگا۔ لیکن اب چھ سال بعد نجانے وہ کہاں ہو۔ بہر حال میں معلومات حاصل کرتا ہوں اور دوسری طرف سے ٹائیگر نے جواب دیا۔

”ویسے یہ بات ہے تو انتہائی عجیب کہ اچھا بھلا پڑھا لکھا آدمی اس طرح غائب ہو جائے۔ نہ اس کی لاش ملے نہ وہ خود“۔ بلیک زبرد نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”اصل حیرت اس بات کی ہے کہ اس کے غائب ہونے کے پیچھے کوئی وجہ سامنے نہیں آرہی۔ نہ ہی وہ شخص مالی طور پر غیر آسودہ تھا نہ بیوی بچوں سے تنگ تھا۔ نہ اس پر کوئی بڑا قرضہ تھا نہ کوئی دشمنی۔“

عمران نے کہا۔

”اوہ تو آپ اس بنیاد پر سوچ رہے ہیں کہ وہ خود اپنی مرضی سے غائب ہو گیا ہے۔“ بلیک زبرد نے چیونٹک کر کہا۔

”یورپ اکیڑھیاں تو ایسے قسے عام ہیں۔ وہاں تو لوگ اسی طرح کرتے ہیں لیکن یہاں پاکیشیاں ایسا کوئی کیس اب تک سامنے نہیں آیا۔ لیکن اس کے باوجود اگر اسے کسی نے اغوا کیا تو کیوں اور پھر کہیں نہ کہیں سے تو بہر حال سراغ مل ہی جاتا۔“

عمران نے کہا اور بلیک زبرد نے اثبات میں سر ہلادیا۔ پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ٹرانسمیٹر کال آگئی تو عمران نے ہاتھ بڑھا کر ٹرانسمیٹر کا بٹن آن کر دیا۔

”ہیلو ٹائیگر کالنگ اور۔۔۔۔۔ بٹن آن ہوتے ہی ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔“

عمران بول رہا ہوں اور۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

”نہ نزدیکی گاؤں میں ایک مکان پر چھاپہ مار کر وہاں سے چار بردہ فروش اور پندرہ معصوم اغوا شدہ بچے برآمد کئے تھے۔ یہ بردہ فروش مقامی بد معاش تھے جو بعد میں ضمانتوں پر رہا ہو گئے سبوتاہ بچوں کے والدین نے پی دی نہ کی اور گواہ بھی نہ مل سکے تھے۔ اس لئے ملزم بعد میں بری ہو گئے۔ ریکارڈ کے مطابق اس گروہ کا سرغنہ ایک شخص میرن نامی تھا مخبر کے بارے میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ معلوم ہوا ہے کہ اس وقت اس تھانے کا انچارج عالم خان تھا جو اب ریشائروڈ چکا ہے اور اب وہ سٹیلٹ ٹاؤن کی کوئٹھی نمبر چھ سو چھ اے بلاک میں رہائش پذیر ہے اور خاصا اسیر آدمی ہے۔ اس کا اب دارالحکومت میں کوئی نجی کاروبار بتایا جاتا ہے اور۔۔۔۔۔ ٹائیگر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔“

”اوکے ٹھیک ہے۔ اور اینڈ آل“ عمران نے کہا اور ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

”مخبر کے بارے میں یقیناً عالم خان جانتا ہوگا۔۔۔۔۔ بلیک زبرد نے کہا۔“

”ہاں اس عالم خان سے پوچھ گچھ کرنی پڑے گی۔ وہ بنیادی آدمی ہے۔“ عمران نے کہا اور کرسی سے اٹھنے ہی لگا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر ایک بار پھر کال آنا شروع ہو گئی۔

”اوہ میری ذاتی فریکوئنسی پر دوسری کال کس نے کی ہے۔“ عمران نے چونکتے ہوئے کہا کیونکہ ٹرانسمیٹر پر ابھی تک اس کی ذاتی فریکوئنسی

ایڈجسٹ شدہ تھی۔

”ہیلو ہیلو چیف آف فور سٹارز کالنگ اوور“..... عمران کے ہنر آن کرتے ہی صدیقی کی آواز سنائی دی تو عمران کے ساتھ ساتھ بلیک زبرد بھی چونک پڑا۔

”یس ٹو سٹکل سٹار انڈنگ یو اوور“..... عمران نے چپکتے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر ان کے درمیان گفتگو شروع ہو گئی لیکن جیسے جیسے گفتگو آگے بڑھی عمران اور بلیک زبرد دونوں کے ہنردوں پر گہری سنجیدگی کے تاثرات ابھرائے۔

”اوه اوه عمران صاحب اس قدر مکروہ اور گھناؤنا جرم“۔ ٹرانسمیٹر آف ہوتے ہی بلیک زیرو نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”انسان اب انسان ہی نہیں رہا بلیک زبرد۔ کاش مجھے کوئی ایسا اختیار مل جاتا کہ میں ایسے لوگوں کو ایک کروڑ بار مارتا اور ایک کروڑ بار زندہ کرتا۔ یہ دنیا کے مکروہ ترین لوگ ہیں اور یہ بچوں کا اغوا جرم ہی نہیں ذلیل ترین جرم ہے۔ ڈاگ کرائم ہے“..... عمران نے انتہائی نفرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف مڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار دانش منزل سے نکل کر تیزی سے لعل کالونی کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ اس کے ذہن میں صدیقی کی بتائی ہوئی تفصیلات سن کر واقعی زلزلہ سا آیا ہوا تھا۔ بار بار اس کے ذہن میں ان والدین کا تصور آ جاتا جن کے بچوں کو اس طرح اغوا کر لیا گیا تھا۔ اس کا ہنرہ غصے کی شدت سے سرخ پڑا ہوا تھا اس کا

بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر وہاں پہنچے اور ان مکروہ ترین انسانوں کے جسموں کی ایک ایک بوٹی اپنے دانتوں سے علیحدہ کر دے۔ لعل کالونی کو کراس کر کے وہ اس کچے راستے پر کار بھگاتا آفر کار اس دہمپاتی ڈیرے پر پہنچ ہی گیا۔ وہاں واقعی دس پھول سے معصوم بچے بھی موجود تھے۔ صدیقی اور اس کے ساتھی بھی اور کر مو دادا اور جامو کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھیوں کی لاشیں بھی۔

”تم ان بچوں کو لے کر جاؤ اور فوری طور پر ان کے والدین تک انہیں پہنچاؤ۔ میں ان دونوں کو لے کر رانا ہاؤس جا رہا ہوں۔ تم ان بچوں کو چھوڑ کر وہیں آ جانا“..... عمران نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ انہیں کسی فلاحی ادارے کے حوالے کر دیا جائے وہ لوگ انہیں گھروں تک پہنچا دیں گے“..... صدیقی نے کہا۔

”لیکن کیا کسی پران حالات میں اعتبار کیا جاسکتا ہے“..... عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”ایک ادارے کا سربراہ میرا ذاتی دوست ہے وہ واقعی ہمدرد دل آدمی ہے۔ غلط نہیں ہے“..... صدیقی نے جواب دیا۔

”نھیک ہے وہیں انہیں لے جاؤ لیکن تم لوگوں نے اس وقت تک وہیں رکنا ہے جب تک سب بچے اپنے والدین تک پہنچ نہیں جاتے میں ان حالات میں ایک فیصد رسک بھی نہیں لینا چاہتا۔“

عمران نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”لیکن ان کے والدین کو کیا کہا جائے گا“..... صدیقی نے کہا۔

نے پوچھا۔

- جانتا تو نہیں ہوں۔ البتہ اس نے خود بتایا تھا کہ وہ ریٹائرڈ پولیس آفیسر ہے اور اب کوئی کاروبار کرتا ہے۔ چوہان نے جواب دیا۔

- کیا اس کو مو دادا کے بارے میں اس نے خاص طور پر بتایا تھا یا ویسے ہی بات کر دی تھی۔ عمران نے پوچھا۔

- نہیں خاص طور پر تو اس نے بات نہ کی تھی۔ بس ویسے ہی نام لے لیا تھا۔ پھر میں نے جب اس کے بارے میں تفصیل پوچھی تو اس نے موضوع ہی بدل دیا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ اس نے ویسے ہی اپنی بات رکھنے کے لئے ایک فرضی نام لے دیا ہے۔ اس لئے میں نے ایک بوزھ ویئر سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایسا آدمی واقعی ہے اور جرائم کی دنیا میں خاصا بدنام آدمی ہے۔ ہر قسم کے دھندوں میں ملوث رہتا ہے۔ اس کے ہونٹل کے بارے میں تفصیل بھی مجھے اسی ویئر نے ہی بتائی تھی اور پھر اس ویئر سے جب میں نے بچوں کے اغوا کے بارے میں بات کی تو اس نے بتایا کہ ایسے لوگ موجود ہیں جن کا دھندہ یہی ہے۔ یہ بھی اسی نے بتایا تھا کہ ایسے جرائم پیشہ لوگ اغوا شدہ بچوں کو اپنے کوڈ میں پلا کھتے ہیں۔ مطلب ہے کتے کا پتہ۔ یہ ان کا خاص کوڈ ہے اور یہ بات بھی اسی نے بتائی تھی کہ اس دھندے میں بڑا نام بڑے خان کا بھی سننے میں آتا رہا ہے۔ چوہان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

- یہی کہنا کہ انہیں کسی گروہ نے ییگار کیمپ کے لئے اغوا کیا تھا ان سے چھپوایا گیا ہے اور کیا کہنا ہے۔ عمران نے جواب دیا اور صدیقی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر خادر اور چوہان نے بے ہوش اور بندھے ہوئے کر مو دادا اور جامو کو عمران کی کار کی عقبی سیٹوں کے درمیان ایک دوسرے کے اوپر ڈالا اور بچوں کو انہوں نے اپنی کار میں سوار کیا۔ جب کہ چوہان کو عمران نے اپنے ساتھ لے لیا تھا تاکہ بچے کار میں سمسکیں اور چند لمحوں بعد دونوں کاریں تیزی سے آگے بچھے دوڑتی ہوئی شہر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ شہر میں داخل ہو کر عمران نے کار کا رخ رانا پادوس کی طرف موڑ دیا۔

- تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا تھا چوہان کہ ان بچوں کو فیکٹریوں میں کام کرانے کے لئے اغوا کیا جاتا ہے۔ اچانک عمران نے چوہان سے مخاطب ہو کر کہا۔

- بس اتفاق ہے کہ ایک ہونٹل میں بیٹھے ہوئے جعلی مال کے بارے میں بات چیت شروع ہو گئی۔ وہاں ایک ریٹائرڈ پولیس آفیسر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ بات بتائی اور کر مو دادا کے بارے میں بھی انہوں نے ہی بتایا تھا کہ وہ اس دھندے میں بڑی شہرت رکھتا ہے میں نے جب اس کا ذکر صدیقی سے کیا تو وہ فوراً اس سلسلے میں کارروائی پر تل گیا اور اس طرح یہ بچے برآمد ہو گئے۔ چوہان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

- کون تھا وہ ریٹائرڈ پولیس آفیسر۔ کیا تم اسے جانتے ہو۔ عمران

ہنس پڑا۔

اپنے مخصوص انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔
 "جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو کس کس سے سودا کرتے
 رہے ہو اب تک۔" عمران نے غزاتے ہوئے کہا۔
 "اب تجھے کیا یاد رہتا ہے۔ ہزاروں سودے کئے۔ سودے تو ہوتے
 ہی رہتے ہیں۔" کرمودا دا نے جواب دیتے ہوئے کہا۔
 "بڑا خان کون ہے۔ جس کی نشانی تم مانگ رہے تھے۔" نرہا
 نے پوچھا۔

وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ بڑا خان ہی کہلاتا ہے۔ بچوں کو خریدتا رہتا
 ہے۔ وہ سب سے زیادہ بچے خریدتا ہے۔ ویسے اس کا نام چلتا ہے۔ وہ
 خود کبھی سامنے نہیں آیا۔ اس کے آدمی آتے رہتے ہیں۔" کرمودا دا
 نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اس کے کسی آدمی کا نام اور پتہ بتاؤ۔" عمران نے پوچھا۔
 "میں تو کسی کو نہیں جانتا۔ نئے نئے لوگ آتے ہیں۔ وہ سب
 نشانی لے کر آتے ہیں۔ نشانی ہر بار نئی ہوتی ہے۔ لیکن ہر بار سفید
 رنگ کے کپڑے کی تصویر ہوتی ہے۔ کبھی کسی انگوٹھی پر سفید کپڑا
 ہوا ہوتا ہے کبھی کسی تصویر پر کبھی کسی رد مال پر بس۔ یہی نشانی ہوتی
 ہے بڑے خان کی۔ سودا ہوتا ہے اور بچے لے کر چلے جاتے ہیں۔" کرمو
 دا دا نے جواب دیا۔

"وہ بچے خرید کر کیا کرتا ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"اس کے آدمی بتاتے ہیں کہ وہ انہیں آگے غیر ملکوں میں بیچ دیتا

انسانی ظلم توڑتے ہیں۔" عمران نے اسی طرح نفرت بھرے لہجے
 میں کہا تو جوانا کے ہونٹ بھی بھیج گئے۔ اسی لمحے کرمودا دا نے کہا
 ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے چند لمحوں تک تو اس کی آنکھیں دھندلی
 دھندلی سی نظر آتی رہیں پھر ان میں شعور کی چمک ابھرائی۔

"یہ۔ یہ۔ میں کہاں ہوں۔ یہ۔ یہ۔ تم کون ہو۔" کرمودا دا
 نے اہتائی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ حیرت
 بھرے انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر ماحول کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔
 "جہارا نام کرمودا دا ہے اور تم بچے اغوا کرنے والے گروہ۔"
 مرغندہ ہو۔" عمران نے غزاتے ہوئے کہا۔

"بب بب بچے۔ اغوا کرنے والے گروہ کا مرغندہ۔ اودہ نہیں۔ ایو
 کوئی بات نہیں۔ یہ اچوں کے اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے میں
 صرف سودا کرتا ہوں۔ میں نے کبھی کوئی بچہ اغوا نہیں کیا۔ تم بھی
 کرو میں نے کبھی کوئی بچہ اغوا نہیں کیا۔" کرمودا دا نے تیزی
 میں کہا۔

"کس کس کے ہاتھ آج تک بچوں کا سودا کرتے رہے ہو۔" عمران
 نے کہا۔

"لیکن۔ لیکن تم کون ہو۔ اودہ۔ اودہ۔ یہ تو وہ آدمی ہے جو
 خریدنے آیا تھا۔ مگر۔ مگر۔ تم کون ہو۔ پولیس کے آدمی ہو آگے
 ایسا ہے تو سنو مجھ سے سودا کر لو۔ مجھے پکڑ کر تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔
 جب کہ میں تمہیں بہت سی دولت دے سکتا ہوں۔" کرمودا دا نے

میرن جامو کا باپ تھا۔ ایک سال پہلے مر گیا ہے۔ وہ بھی یہی کام کرتا تھا۔ کرمو دادا نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں چار پانچ اور گروہ بھی ہیں لیکن وہ سب اس جامو کے گروہ سے چھوٹے ہیں.....“ کرمو دادا نے جواب دیا۔

”یہ پولیس کے افسر ہیں جامو۔ پوچھ گچھ کر رہے ہیں..... کرمو دادا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خاص لہجے میں کہا اور ساتھ ہی آنکھ دبا کر اشارہ کر دیا۔ عمران خاموش بیٹھا اس کا اشارہ دیکھ رہا تھا۔

"میں۔ میں نے تو کبھی یہ گندہ کام نہیں کیا۔ جناب میں تو ویسے ہی وہاں ڈیرے پر دوستوں سے ملنے چلا گیا تھا"..... جامو نے جواب دیا۔

”کیا ان کا خریدار صرف بڑا خان ہے یا کوئی اور بھی ہے؟“ - عمران نے پوچھا۔

”اور بھی ہیں۔ ایسے ٹھیکیدار بھی ہیں جو یہ گار کیمنپ چلاتے ہیں۔ وہ قدرے بڑے لڑکے مانگتے ہیں۔ بھکاریوں کے گروہ بھی ہیں جو سچے خرید کر لے جاتے ہیں اور پھر ان کے ہاتھ مازو توڑ کر اور شکلیں بگاڑ

”جوانا خنجر نکالو اور الماری سے سرخ مرچوں کا بھرا ہوا ڈبہ بھی اٹھا لاؤ اور اس جامو کے جسم پر فی الحال ایک زخم ڈال کر اس میں مرچیں بھر دو۔ اس کے بعد یہ جتنی بار بھی جھوٹ بولے اتنے زخم ڈال کر مرچوں سے بھر دینا“..... عمران نے سرد لہجے میں جوانا سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یس ماسٹر“..... جوانا نے جواب دیا اور تیزی سے مڑ کر سائیڈ کی دیوار میں بنی ہوئی الماری کی طرف بڑھ گیا۔

”کیوں اپنی جان پر ظلم لیتے ہو جامو۔ جو کچھ پوچھتے ہیں بتا دو۔ یوں تمہیں کون سا پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔“ کرمودا دادا نے جامو سے مخاطب ہو کر کہا۔

”لیکن کرمودا دادا“..... جامو نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”بتانا تو اسے بہر حال سب کچھ پڑے گا۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ یہ کس طرح بتاتا ہے“..... عمران نے سرد مہرانی لہجے میں کہا۔

”الحق ہو گئے ہو جامو۔ عدالت کی کارروائی پڑی ہے۔ تمہیں پتہ تو ہے کہ کیا ہوتا ہے کیوں خواہ مخواہ خد کر رہے ہو“..... کرمودا دادا نے

کہا اور عمران بے اختیار مسکرا دیا کیونکہ اب وہ سمجھا تھا کہ کرمودا دادا کیا سوچ رہا ہے کہ یہاں جو کچھ بھی وہ بتائے گا عدالت میں جا کر اس سے

مکر جائے گا اور پھر ان کے سرپرست ان کے مقدمے لڑیں گے اور گواہوں کو دھمکیاں دے کر وہ اپنے حق میں گواہیاں کرا لیں گے اس

طرح وہ صاف بری ہو جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ کرمودا دادا نے بغیر

کسی ہچکچاہٹ کے سب کچھ بتا دیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں بتاتا ہوں پوچھو کیا پوچھتے ہو“..... جامو نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

”لیکن سچ بولنا پڑے گا تمہیں“..... عمران نے کہا۔

”سچ ہی بولو گا۔ مجھے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ملے گا“..... جامو نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”کب سے یہ بچوں کے اغوا کا کام کر رہے ہو“..... عمران نے پوچھا۔

”دس سال سے“..... جامو نے جواب دیا۔

”کتنے بچے اب تک اغوا کئے ہیں تم نے“..... عمران نے پوچھا۔

”اب مجھے ان کی تعداد تو یاد نہیں سینکڑوں کئے ہوں گے۔“ جامو نے اس طرح جواب دیا جیسے وہ معصوم بچوں کی بجائے واقعی کتے کے پلوں کی بات کر رہا ہو۔

”تمہارے گروپ میں کل کتنے آدمی ہیں“..... عمران نے پوچھا۔

”بس وہی ہیں جو اڈے پر تھے“..... جامو نے کہا۔

”جوانا“..... عمران نے جوانا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو جوانا جو ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے ہاتھ میں ایک بوتل پکڑے کھڑا تھا بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور دوسرے لمحے کمرہ جامو کے حلق سے نکلنے

والی کر بناک چیخ سے گونج اٹھا۔ جوانا نے انتہائی بے دردی سے اس کی ران میں خنجر اتار دیا تھا۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے خنجر کھینچا اور

دونوں زخموں پر سپرے کیا تو جامو کا کھلا ہوا منہ بند ہوا اور اس نے ایک بار پھر چیخیں مارنی شروع کر دیں لیکن آہستہ آہستہ اس کی چیخوں میں کمی آتی چلی گئی۔ اس کا چہرہ جو تکلیف کی شدت سے بری طرح بگڑ گیا تھا دوبارہ نارمل ہونے لگ گیا۔ اس سے ظاہر تھا کہ اس کے زخموں میں ہونے والی ناقابل برداشت تکلیف اس سپرے کی وجہ سے کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔

”اب بو اد کتنے آدمی ہیں تمہارے گروہ میں“..... عمران نے کہا۔
”بب بب ببس۔ ببس ہیں۔ خدا کی قسم ببس ہیں۔“..... جامو نے ہڈیانی سے انداز میں کہا۔

”کہاں رہتے ہیں کیا نام ہیں ان کے۔“ تفصیل بتاؤ اور یہ سن لو کہ اگر ایک نام و پتہ بھی غلط نکلا تو تمہارا تشرعبر سناک ہو گا۔“..... عمران نے کہا اور جامو نے جلدی جلدی نام و پتہ بتانے شروع کر دیئے۔

”چوہان کاغذ اور قلم لے لو اور یہ جو نام و پتہ بتاتا جائے وہ لکھتے جاؤ۔“ عمران نے ساتھ بیٹھے ہوئے چوہان سے کہا اور چوہان سر ہلاتا ہوا اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ جامو اب لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔
”میں نے پہلے ہی تمہیں کہا تھا کہ سب کچھ بتا دو خواہ مخواہ جاہلوں کی طرح نصد کر رہے تھے۔“..... کرمو دادا نے جامو سے کہا اور جامو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد چوہان واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ڈائری اور بال پوائنٹ تھا۔

”لکھو او جامو۔“..... عمران نے جامو سے کہا تو جامو نے نام و پتہ

دوسرے لمحے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بوتل کا منہ کھول کر اس نے بوتل کو اس خون لہلتے زخم پر رکھ کر جھٹکا دینا شروع کر دیا۔ جامو پہلی چیخ کے بعد ہی بے ہوش ہو چکا تھا۔

”اس طرح نہیں۔ اس طرح تو خون نکلنے کی وجہ سے مر چیں زخم میں نہ بھری جاسکیں گی۔ ٹیڑھا کٹ لگاؤ۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا تو جوانانے ایک جھٹکے سے بوتل سیدھی کر لی۔ دوسرے لمحے اس نے خنجر کی مدد سے جامو کے بازو پر کٹ لگایا اور ایک بار پھر بوتل میں بھری ہوئی مرچیں اس پر انڈیل دیں۔ دوسرے لمحے جامو کا جسم بری طرح کلپنے لگا اور وہ ہوش میں آکر بری طرح چیخنے لگا۔
”ارے ابھی سے۔ ابھی تو ایک ہی زخم لگا ہے۔“ عمران نے سفاک لہجے میں کہا۔

”بب ببس آدمی کام کرتے ہیں۔ یہ۔ یہ۔ ہٹاؤ۔ یہ ست کرو۔ میں مرجاؤں گا۔“..... جامو نے ہڈیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

”جوانا اس کے زخموں پر سپرے کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ اب یہ جھوٹ نہیں بولے گا۔“..... عمران نے کہا تو جوانا تیزی سے واپس مڑا۔ اس نے الماری میں خنجر اور مرچوں کی بھری ہوئی بوتل رکھی اور وہاں سے ایک اور بوتل اٹھائی جس پر سپرے پمپ لگا ہوا تھا۔ جامو کی حالت لمحہ بہ لمحہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا جسم اب بری طرح پھرکنے لگا تھا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن تکلیف کی شدت سے اس کے حلق سے اب چیخ تک نہ نکل رہی تھی۔ جوانانے بوتل سے اس کے

گیا تھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں۔

”تنت تمنت تم نے اسے قانون کے حوالے کرنے کی بجائے مار دیا۔“ کرمودا دا نے انتہائی خوفزدہ سے لہجے میں رک رک کر کہا۔

”کاش میں اسے بار بار زندہ کرتا۔ بار بار مارتا۔ یہ انسان نہیں دنیا کی مکروہ ترین مخلوق ہے۔“ عمران نے غراتے ہوئے کہا تو کرمودا کا چہرہ اور زیادہ زرد پڑ گیا۔

”اور تم۔ تم بھی دنیا کے ذلیل ترین انسان ہو۔ تمہیں معصوم بچوں پر ظلم کرتے ان کا سو دا کرتے ہوئے کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ معصوم بچے ہیں پھولوں جیسے۔ ان کو ان کے والدین اور بھائی بہنوں سے تم صرف چند روپوں کی خاطر جدا کر کے انہیں جیتے جی جہنم میں دھکیل رہے ہو۔ تمہیں کبھی ان بچوں کے والدین کی چیخیں سسکیاں اور کراہیں سنائی نہ دی تھیں۔ تمہیں کبھی ان پھول جیسے بچوں پر رحم نہ آیا تھا بلو لو تم ذلیل انسان بلو لو۔“ عمران نے یکتا کرمودا سے مخاطب ہو کر کہا۔

”مم۔ مم میں تو صرف کاروبار کرتا ہوں۔ کمیشن لیتا ہوں۔ بب بب بچے تو نہیں پکڑتا۔ مجھے معاف کر دو۔“ کرمودا دا نے انتہائی خوف بھرے لہجے میں کہا۔

”تمہیں معاف کر دوں تمہیں۔ تم جو انسانیت کے جسم پر ایک ناسور ہو تمہیں معاف کر دوں۔“ عمران نے غراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ریو الورنے ایک بار پھر شعلے اگلنے شروع کر

لکھوانے شروع کر دیئے۔

”تمہارے علاوہ یہاں دارالحکومت میں اور کتنے گروہ یہ دھندہ کرتے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”چار۔“ جامو نے جواب دیا۔

”ان گروہوں کے سرغنوں کے نام دپتے بتا دو۔“ عمران نے کہا تو جامو نے ایک بار پھر نام دپتے بتانے شروع کر دیئے۔

”کوئی رہ تو نہیں گیا۔ سوچ لو اور اگر کسی کا نام دپتے غلط بتایا ہو تو وہ بھی بتا دو۔ اب موقع ہے۔ ورنہ اگر بعد میں کوئی غلطی نکلے تو۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

”میں نے سب بتا دیا ہے۔“ جامو نے جواب دیا۔

”میرن تمہارا باپ تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”ہاں مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“ جامو نے حیران ہو کر پوچھا۔

”میرن بھی یہی دھندہ کرتا تھا۔“ عمران نے پوچھا تو جامو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”میرن آج سے چھ سال پہلے پکڑا گیا تھا۔ اس کی مخبری کسی نے کی تھی۔ کیا تم اس مخبر کے بارے میں جانتے ہو۔“ عمران نے پوچھا۔

”وہ تو کئی بار پکڑا گیا تھا۔ مجھے تو معلوم نہیں ہے۔“ جامو نے جواب دیا۔

تو عمران نے جیب سے ریو الورنے والا اس کے ساتھ ہی پے درپے دھماکوں کے ساتھ ہی جامو کے حلق سے صرف ایک چیخ نکلی اور وہ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔ کرمودا دا کے چہرے کا رنگ یکتا زرد پڑ

دیئے اور کر سودا کی چیخوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ اس کا جسم بے اختیار
تھکے کھانے لگا اور پھر ساکت ہو گیا۔

”جوانان دونوں کو برقی بھٹی میں ڈال دو“ عمران نے جوانا
سے کہا اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف مڑ گیا۔

سٹیل اسٹ ٹاؤن خاصی جدید اور وسیع آبادی تھی۔ یہاں بڑی بڑی
کوٹھیوں کے ساتھ ساتھ متوسط درجے کی کوٹھیاں بھی موجود تھیں۔
اسے بلاک کی کوٹھی نمبر چھ سو چھ بھی ایک متوسط درجے کی کوٹھی تھی
ستون پر ایک نیم پلیٹ موجود تھی جس پر صرف نام عالم خان لکھا ہوا
تھا۔ کوٹھی کا گیٹ بند تھا۔ عمران نے کار کو ٹھی کے گیٹ کے سامنے جا
کر روک دی۔ اس کے ساتھ ٹائیگر تھا۔ کار رکھتے ہی ٹائیگر نیچے اترا اور
گیٹ پر لگے ہوئے کال بیل کے بٹن کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بٹن
پر پریس کیا اور پھر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا ڈرائیونگ سیٹ پر عمران
خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد چھوٹا گیٹ کھلا اور ایک نوجوان جو
اپنے چہرے مہرے اور لباس سے ملازم لگ رہا تھا باہر آ گیا۔
”عالم خان صاحب ہیں“..... ٹائیگر نے اس نوجوان سے مخاطب
ہو کر کہا۔

خاصا مضبوط آدمی تھا سچہرہ ہماری اور درشت سا تھا۔ آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ سر کے بال چھوٹے چھوٹے اور اوپر کواٹھے ہوئے تھے۔

”میرا نام عالم خان ہے“..... اس نے اندر داخل ہوتے ہی عمران اور نائیکر کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے سخت سے لہجے میں کہا۔

”میرا نام علی عمران اور یہ رضوان ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے میرے ملازم نے بتایا ہے کہ آپ کا تعلق سنزل انٹیلی جنس سے ہے“ عالم خان نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں فطری سختی بدستور موجود تھی۔

”جی ہاں آپ کے ملازم نے آپ کو درست بتایا ہے“..... عمران نے جواب دیا۔

”مگر سنزل انٹیلی جنس کا مجھ سے کیا تعلق“..... عالم خان نے مصافحہ کرنے کے بعد صوفے کی کرسی پر ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ہم ایک پرانے کیس پر کام کر رہے ہیں۔ آپ کا تعلق پولیس سے رہا ہے اور آپ آج سے چھ سال قبل نارہہ کرافٹ پولیس اسٹیشن پر بطور ایس ایچ او تعینات تھے۔ آپ نے بردہ فروشوں کا ایک گروہ پکڑا تھا جس کے سرغنہ کا نام میرن تھا“..... عمران نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

”ہوگا مجھے بطور خاص یاد نہیں ہے کیونکہ پولیس کی ملازمت میں ایسے بے شمار گروہ پکڑے جاتے ہیں لیکن آپ کیوں پوچھ رہے

”جی ہاں صاحب ابھی آئے ہیں دفتر سے آپ“..... نوجوان نے غور سے نائیکر اور عمران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”انہیں کہیں کہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر سنزل انٹیلی جنس علی عمران ان سے ملے آئے ہیں“ عمران نے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اوہ اچھا جناب میں پھانک کھولتا ہوں آپ کا اندر لے آئیں“..... نوجوان نے چونک کر کہا اور تیزی سے واپس مڑ گیا۔

سنزل انٹیلی جنس کا نام سننے ہی اس کے جسم میں جیسے برقی ہلکی دوڑ گئی تھی۔ نائیکر واپس آکر کار میں بیٹھ گیا۔ جلد لکھن بعد پھانک کھل گیا تو عمران نے کار آگے بڑھادی۔ پورچ میں پہلے سے دو کاریں موجود تھیں۔ دونوں ہی نئی اور جدید ماڈل کی کاریں تھیں۔ عمران نے ان کے عقب میں کار روکی اور پھر وہ نائیکر سمیت نیچے اتر آیا۔ نوجوان پھانک بند کر کے تیز تیز قدم اٹھاتا واپس ان کی طرف آیا۔

”تم عالم خان کے ملازم ہو“..... عمران نے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”جی ہاں میرا نام رشید ہے۔ آئیے ادھر ڈرائنگ روم میں تشریف لیتے“..... نوجوان نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ ڈرائنگ روم خاصے قیمتی فرنیچر سے مزین تھا۔ فرش پر گھاس نہیں دیا تھا۔ کراچی چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا تو ایک لاؤنڈر عمر آدمی جس کے جسم پر تھری پیس سوٹ تھا اندر داخل ہوا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں مختلف قیمتی نگینوں کی کئی انگوٹھیاں موجود تھیں۔ جسمانی ساخت کے لحاظ سے وہ

آنکھیں کھول دیں۔ پوری طرح ہوش میں آتے ہی اس نے جھٹکے سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن رسی سے بندھا ہونے کی وجہ سے وہ صرف کسمسا کر رہ گیا۔

”یہ۔ یہ۔ مجھے کیوں باندھ رکھا ہے۔ کون ہو تم۔“ عالم خان نے چیختے ہوئے سامنے بیٹھے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

”چیختے چلانے کی ضرورت نہیں ہے عالم خان تمہارے ملازم اور تمہاری بیوی سب بے ہوش پڑے ہیں۔ اس لئے کوئی تمہاری مدد کے لئے نہیں آ سکتا۔“ عمران کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

”مم۔ مم مگر کیوں۔ تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے۔ کیا تم ڈاکو ہو۔ کون ہو تم۔“ عالم خان نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

”تمہارا تعلق پولیس سے رہا ہے اس لئے تمہیں سب چور ڈاکو ہی نظر آئیں گے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر۔ تو پھر تم کون ہو۔“ عالم خان نے سخت الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”دیکھو عالم خان مجھے معلوم ہے کہ تمہیں وہ ساری معلومات حاصل ہیں۔ جو میں نے پہلے تم سے پوچھی ہیں۔ لیکن تم نامعلوم وجوہات کی بنا پر جواب نہیں دے رہے۔ جب کہ جواب مجھے چاہئے اور یہ بتا دوں کہ تمہیں شاید یہ غلط فہمی ہو گی کہ تمہارے ساتھ ہم سخت سلوک نہیں کریں گے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھ لو کہ تمہارے جسم کا ایک ایک ریشہ ادھیڑا جا سکتا ہے۔ تمہارے جسم کی ایک ایک

اچھل کر فرش پر پڑ گئے ہوئے تالین پر جا گر اٹھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا عمران کی لات حرکت میں آئی اور کنپٹی پر پڑنے والی بھرپور ضرب نے عالم خان کے جسم کو یقیناً بے حس و حرکت کر دیا۔

”باہر جا کر اس رشید اور اس کے علاوہ جتنے بھی آدمی ہوں سب کو بے ہوش کر دو اور رسی بھی ڈھونڈ لاؤ۔ اب اس عالم خان سے تفصیلی مذاکرات کرنے پڑیں گے۔“ عمران نے نائیکر سے کہا اور نائیکر سر ہلاتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ عمران نے جھک کر فرش پر پڑے ہوئے بے ہوش عالم خان کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھایا اور صوفے پر ڈال دیا تھوڑی دیر بعد نائیکر واپس ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں رسی کا ہنڈل موجود تھا۔

”اس رشید کے علاوہ دو ملازم اور ایک شاید اس کی بیوی تھی انہیں میں نے بے ہوش کر دیا ہے۔“ نائیکر نے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نائیکر نے آگے بڑھ کر عمران کی مدد سے عالم خان کو ایک کرسی پر بٹھا کر رسی سے اچھی طرح باندھ دیا۔ عمران نے عالم خان کی ناک اور منہ دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا سہند لمحوں بعد عالم خان کے جسم میں حرکت کے تاثرات نمودار ہونے لگے تو عمران پیچھے ہٹ گیا۔

”تم باہر کا خیال رکھو نائیکر۔“ عمران نے نائیکر سے کہا اور نائیکر سر ہلاتا ہوا ایک بار پھر باہر چلا گیا۔ عمران سامنے کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد عالم خان نے کرہیتے ہوئے

”دیکھو عالم خان تم اس وقت انتہائی نازک دور اہے پر کھڑے ہو۔ تم نے ایک ہوٹل میں بات چیت کے دوران کرمو دادا کا بھی نام لیا تھا یہ نام تمہاری زبان سے پھسل گیا تھا۔ گو تم نے اس پر مزید کوئی روشنی نہ ڈالی تھی۔ لیکن اس نام سے ہی بروہ فروشوں کا ایک بڑا گینگ پکڑا گیا ہے ان کے قبضے سے بے شمار معصوم اغوا شدہ بچے برآمد ہو گئے ہیں۔ کرمو دادا اغوا شدہ بچوں کا سودا کرنے کا دھندہ کرتا تھا۔ جب کہ بچے اغوا کرنے والے گروہ کا سرغنہ جامو تھا جس کے باپ کا نام مہین تھا اور مہین اس گروہ کا سرغنہ تھا جسے تم نے سوشل ویلفیئر کے تحکے کے افسر مرادی مخبری پر گرفتار کیا تھا۔ لیکن مراد خان مخبری کے بعد اغوا کر لیا گیا اور آج چھ سال گزر چکے ہیں۔ اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کی بیوی نے انتہائی اعلیٰ سطح پر اپنے شوہر کی برآمدگی کے بارے میں کوششیں کی ہیں چنانچہ اب انتہائی اعلیٰ حکام نے سنٹرل انٹیلی جنس کو مراد کے اغوا اور غائب ہونے کے سلسلے میں کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم ان ساری باتوں کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو سب کچھ بلا کم و کاست بتا دو۔ اگر تم خود بھی اس سلسلے میں ملوث ہوئے تب بھی تمہیں سرکاری گواہ بنا کر بچایا جاسکتا ہے لیکن اگر تم نے کچھ چھپایا تو پھر تم کسی بھی رعایت کے مستحق نہ رہو گے۔“ عمران نے سرد لہجے میں تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”کیا تمہارا تعلق واقعی سنٹرل انٹیلی جنس سے ہے؟“ عالم خان

ہڈی توڑی جاسکتی ہے اور ہمارا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس لئے تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ جو کچھ میں پوچھوں اس کا درست جواب دے دو۔“ عمران کا لہجہ ایک بار پھر سرد ہو گیا۔

”جو میں جانتا ہی نہیں یا مجھے یاد ہی نہیں ہے میں وہ کیسے بتا دوں۔“ عالم خان نے کہا تو عمران کرسی سے اٹھا۔ اس نے جیب سے ریو الوار نکالا اور اس کی نال عالم خان کی پیشانی پر رکھ دی۔

”سنو میں صرف پانچ ٹمک گنوں گا۔ اس کے بعد نریگر وبادوں گا۔ اگر پانچ ٹمک گننے کے باوجود تمہاری یادداشت نے کام نہ کیا تو پھر تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اندھیری قبر میں اتر جاؤ گے۔“ عمران نے غزائے ہوئے سرد لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے رک رک کر گنتی شروع کر دی۔

”رک جاؤ میں بتاتا ہوں مجھے سب یاد آگیا ہے رک جاؤ۔“ یقیناً عالم خان نے ہڈیانی انداز میں پتختے ہوئے کہا۔

”بولتے جاؤ۔“ عمران کا لہجہ اسی طرح سرد تھا۔

”اس مخبر کا نام مراد تھا وہ سوشل ویلفیئر میں افسر تھا۔“..... عالم خان نے جواب دیا تو عمران نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا اور پچھلے ہٹ کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ عالم خان کا چہرہ پسینے سے تر تھا اور وہ اب لہجے لہجے سانس لے رہا تھا۔

”تم نے پہلے یہ بات کیوں چھپائی تھی؟“..... عمران نے پوچھا۔

”مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔“..... عالم خان نے جواب دیا۔

نے ہونٹ چبائے ہوئے کہا۔

”ہاں لیکن میرے کام کرنے کا طریقہ الگ ہے۔ ہمارا گروپ سپیشل گروپ کہلاتا ہے اور ہم کام کے دوران صرف نتائج حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں چاہے کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑے ہم دریغ نہیں کیا کرتے۔ ہم قانون کے حوالے صرف ان افراد کو کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو تعاون نہیں کرتے انہیں قبروں میں اترنا پڑتا ہے۔“

نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کیا تم واقعی مجھے سرکاری گواہ بنا دو گے۔ کیا تم وعدہ کرتے

ہو۔“ عالم خان نے کہا۔

”اگر تم نے سب کچھ سچ بتا دیا اور وہ سب کچھ بعد میں سچ بھی

ثابت ہو گیا۔“ عمران نے جواب دیا۔

”میں سب کچھ سچ بتا رہا ہوں لیکن پلیز مجھے مت مارو۔“ عالم

خان نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ بتاؤ کہ تم نے مراد کا نام کیوں چھپایا تھا۔“ عمران

نے کہا۔

”اصل بات یہ ہے کہ مراد کے کہنے پر میں نے بردہ فردشوں کا گروہ

جس کا سرغنہ مرین تھا۔ گرفتار کیا تھا اور ان کے قبضے سے بچے بھی

برآمد کئے تھے۔ لیکن پھر پہاڑی علاقے کی ایک بہت بڑی شخصیت جے

سب بڑا خان کہتے ہیں کے آدمیوں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں

نے مجھے بڑی بھاری رقم رشوت کے طور پر دی اور مجھ سے مخبر کے

بارے میں پوچھا۔ میں نے بتا دیا پھر مجھے معلوم ہوا کہ بڑے خان کے

آدمیوں نے مراد کو اغوا کر کے پہاڑی علاقے میں پہنچا دیا ہے۔ اس کے

بعد اس کا کیا ہوا۔ مجھے نہیں معلوم۔ یہی وجہ ہے کہ جب تم نے مخبر

کے بارے میں پوچھا تو میں بات چھپا گیا۔“..... عالم خان نے جواب دیا

”اب بھی تم بات چھپا رہے ہو۔ اگر مسئلہ صرف رشوت کا ہوتا تو

تم اب ریٹائرڈ ہو چکے ہو اور رشوت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس لئے

تمہیں اس بارے میں بتانے پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اس لئے اب

آخری بار کہہ رہا ہوں کہ سب کچھ سچ بتا دو۔ اس کے بعد شاید تمہیں

کوئی موقع ملے۔“..... عمران کا لہجہ بے حد سخت ہو گیا۔

”وہ۔ وہ۔ اصل بات یہ ہے کہ میں خود اس دھندے میں ملوث ہو

گیا تھا۔ میں نے بردہ فردشوں کے کئی گروہوں سے رابطہ قائم کر لیا اور

کرموداد اور ایسے ہی دوسرے افراد کے ذریعے میں بچے خریدتا اور بڑے

خان کے آدمیوں کے پاس فروخت کر دیتا تھا۔ اس طرح مجھے بھاری

معاوضہ ملنے لگ گیا تھا۔ اس وقت چونکہ مجھے پولیس کا تحفظ حاصل تھا

اس لئے کسی کو مجھ پر شک نہ ہو سکا۔ ریٹائر ہونے کے بعد میں نے یہ

کام چھوڑ دیا اور اکٹھی کی ہوئی دولت سے کاروبار شروع کر دیا۔“ عالم

خان نے جواب دیا۔

”بڑا خان سے تمہارا رابطہ کس سطح پر ہوا اور اس کے بارے میں کیا

تفصیل ہے۔“..... عمران نے پوچھا۔

بنانے کی خفیہ ٹیکنریاں قائم ہیں۔ انوشدہ بچوں اور بڑوں سے وہاں کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح ٹیکنریاں بھی چلتی رہتی ہیں اور کسی کو ان کے بارے میں علم بھی نہیں ہوتا۔ جو بچے کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ انہیں غیر ملک میں فروخت کر دیا جاتا ہے یا ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ عالم خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”سردار ار باب اب کہاں ہے۔ اس کے بارے میں پوری تفصیل بتاؤ۔“ عمران نے پوچھا۔

”وہ تو دو سال پہلے ایک ایکسیڈنٹ کے دوران ہلاک ہو گیا تھا۔“ عالم خان نے جواب دیا تو عمران ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کی نال عالم خان کی پیشانی پر رکھ کر دبا دی۔

”تم نے پھر جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں ہو۔“ عمران نے اس قدر سرد لہجے میں کہا کہ عالم خان کا جسم یکت جھٹکے کھانے لگا۔

”وہ۔ وہ آرام باغ میں رہتا ہے۔ وہ آرام باغ میں رہتا ہے۔ اس کا بہت بڑا ہوٹل ہے۔ ہوٹل دلکشا۔“ عالم خان نے ہڈیانی انداز میں چبھتے ہوئے کہا۔

”تم نے پھر کیوں یہ بات چھپائی تھی۔“ عمران نے غراتے ہوئے کہا۔

”وہ۔ وہ دراصل میں اب بھی وہی دھندہ کرتا ہوں۔ میں نے سوچا

میں واقعی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس کے ایک خاص آدمی تھا جس کا نام سردار ار باب تھا۔ وہ میرا دوست بن گیا تھا اور اس کے اکسانے پر میں اس دھندے میں شامل ہوا تھا۔ میں نے سردار ار باب سے کئی بار پوچھا بھی لیکن وہ نال گیا۔ بڑے خان کا صرف نام چلتا ہے اور نشانی چلتی ہے۔ سفید کبوتر اس کی نشانی ہے جب بھی سردار ار باب کو بچے خریدنے ہوتے وہ یہ نشانی مجھے دے دیتا۔ میں اپنے آدمیوں کو یہ نشانی دے کر بڑے خان کے آدمی بنا کر کرموداوا اور ایسے دوسرے افراد کے پاس بھیجو دیتا اور بچے خرید کر سردار ار باب کے حوالے کر دیتا وہ مجھے معاوضہ ادا کرتا اور پھر بچوں کو نرگوں میں ڈال کر لے جاتا۔ اس طرح نام بڑے خان کا چلتا۔ میں درمیان میں آتا تھا۔ لیکن معاوضہ مجھے بہت بھاری ملتا۔ سردار ار باب کو یہ فائدہ ہو جاتا کہ اگر کوئی گروپ پکڑا جاتا تو میں پولیس میں ہونے کی وجہ سے اسے بچا لیتا تھا۔ اسے تحفظ مل جاتا تھا اور مجھے معاوضہ۔“ عالم خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یہ بڑا خان ان بچوں کا کیا کرتا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”ان سے ٹیکنریوں میں کام لیا جاتا ہے۔ غیر ملکوں میں انہیں بطور ملازم بھی فروخت کیا جاتا ہے۔“ عالم خان نے جواب دیا۔

”کن ٹیکنریوں کی بات کر رہے ہو۔“ عمران نے چونک کر پوچھا۔

”بہاری علاقوں میں ہر قسم کا جعلی مال۔ جعلی ادویات اور اسلحہ

کہ اگر تم اس تک پہنچ گئے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔۔۔۔۔ عالم خان نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

لیکن تم تو کہتے ہو کہ تم اسپورٹ ایکسپورٹ کا کام کرتے ہو۔۔۔۔۔ عمران نے ہنسنا چبھاتے ہوئے پوچھا۔

وہ تو ایک آڑ ہے۔ در نہ پورے ملک میں میرے آدمی یہی کام کرتے ہیں اور میں مال خرید کر کے سرور اور باب کے ذریعے بڑے خان کو فروخت کر دیتا ہوں۔ عالم خان نے جواب دیتے ہوئے کہا تو عمران نے ریوالور جیب میں رکھا اور ایک طرف رکھے ہوئے فون کی طرف مڑ گیا۔ اس نے رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

رانا ہاؤس۔۔۔۔۔ رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے جوزف کی آواز سنائی دی۔

جوزف جو انا کو ساتھ لے کر سٹیلانٹ ٹاؤن کی کوٹھی چھ سو چھ اے بلاک فور اٹھنچو میں وہیں موجود ہوں۔ عمران نے سرد لہجے میں کہا اور رسیور رکھ کر وہ گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر۔۔۔۔۔ عمران نے دروازے پر رک کر کہا۔

یس باس۔۔۔۔۔ برآمدے میں کھڑے ٹائیگر نے تیزی سے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

جوزف اور جو انا کو میں نے یہاں بلوایا ہے۔ تم انہیں پھانک کھول کر اندر لے آؤ۔۔۔۔۔ عمران نے کہا اور واپس مڑ گیا۔ عالم خان خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

تم نے بتایا ہے تمہارے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ اگر تمہارے بیٹوں کو کوئی اغوا کر کے فروخت کر دے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ عمران نے اہتائی نفرت بھرتے لہجے میں عالم خان سے مخاطب ہو کر کہا۔ لیکن عالم خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔

تم لوگ انسان نہیں ہو۔ اہتائی مکروہ ترین مخلوق ہو۔ عمران نے اہتائی نفرت بھرتے لہجے میں کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

تم۔ تم مجھے اپنے وعدے کے مطابق قانون کے حوالے کر دو۔۔۔۔۔ چند لمحوں بعد عالم خان نے رک رک کر کہا۔

میں ایسا ہی کروں گا فکر مت کرو۔ عمران نے سرد لہجے میں کہا تو عالم خان کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھر آئے۔ تموڑی دیر بعد باہر سے کار کی آواز سنائی دی اور پھر جوزف اور جو انا ڈرائیگ روم میں داخل ہوئے۔ عالم خان ان دو سیاہ فاموں کی جوڑی کو دیکھ کر بے اختیار چونک پڑا۔ وہ بڑی حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

اس کا نام عالم خان ہے اور یہ ریٹائرڈ پولیس آفیسر ہے۔ یہ بچوں کو اغوا کرنے کے دھندے میں ملوث ہے۔ بقول اس کے اس کے آدمی پورے پاکیشیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب یہی مکروہ دھندہ کرتے ہیں۔ تم اسے رانا ہاؤس لے جاؤ اور اس سے اس کے متعلق تمام افراد کے بارے میں تفصیلات حاصل کرو اور پھر تمہارا کام ان لوگوں کو اہتائی عبرتاک انداز میں ٹھکانے لگانا ہوگا۔ کسی نرمی اور رحم کی

ہے۔ اچانک عمران نے پوچھا۔

- نہیں کوئی عام ساہوکل، دوگہ۔ میں تو یہ نام ہی پہلی بار سن رہا ہوں۔
- ٹائنگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

- اس کا مالک سردار ارباب نامی کوئی شخص ہے۔ وہ اس گینگ کا بڑا ہے۔ اس سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔ عمران نے کہا اور ٹائنگر نے اثبات میں سر ہلادیا۔ تھوڑی دیر بعد کار شہر کے ایک پرانے علاقے میں داخل ہوئی۔ عمران نے ایک پتک پر کار روکی اور ایک دکاندار سے ہوٹل دکشا کے بارے میں پوچھا۔

- آگے چلے جائیں صاحب۔ کافی آگے جا کر دائیں ہاتھ پر مڑ جائیں۔
- ہاں سے ہوٹل دکشا کی عمارت نظر آتی ہے۔ دکاندار نے جواب دیا تو عمران نے اس کا شکر ادا کیا اور کار آگے بڑھا دی اور پھر واقعی کافی آگے جانے کے بعد انہیں موڑ پر دور سے ہی ہوٹل دکشا کا بورڈ نظر آگیا۔ عمارت تین منزلہ تھی لیکن عمارت کا طرز تعمیر استہائی قدیم اور بالکل اس انداز کا تھا جیسے کبوتروں کے کابک بنائے جاتے ہیں۔ بورڈ بھی پرانا سا تھا اور اس کے الفاظ بھی آدھے سے زیادہ مٹ چکے تھے۔
- نیچلی منزل پر ریستوران تھا جب کہ اوپر والی دونوں منزلیں رہائشی کمروں پر مشتمل تھیں۔ عمران نے کار سائیڈ پر کر کے روکی اور پھر نیچے اتر آیا۔ دوسری طرف سے ٹائنگر بھی نیچے اتر آیا۔

- کار کو لاک کر کے آجاؤ۔ عمران نے چابیاں ٹائنگر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ تیز قدم اٹھاتا مین گیٹ کی

ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ انسان ہی نہیں ہیں۔ جب اس کے سب افراد کا خاتمہ ہو جائے۔ تب اسے بلیک قانون کے حوالے کر دنا سمجھ گئے ہو۔ عمران نے جوزف اور جوانا سے مخاطب ہو کر کہا۔
- میں باس آپ بے فکر رہیں آپ کے حکم کی پوری پوری تعمیل ہو گی۔ جوزف نے جواب دیا۔

- اس کے گھر والے اور ملازم بے ہوش پڑے ہیں انہیں کچھ نہ کہنا صرف اسے لے جاؤ میں ٹائنگر کے ساتھ اس گروہ کے ایک اور آدمی کے پیچھے جا رہا ہوں۔ عمران نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
اس نے ٹائنگر کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور چند لمحوں بعد اس کی کار کو ٹھی کے بھانگ سے باہر نکل کر تیزی سے دائیں ہاتھ پر مڑ کر آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس کے پھرے پر پتھر ٹپٹی سنجیدگی خاری تھی۔

- اب آپ کہاں جا رہے ہیں۔ اس عالم خان نے کیا بتایا ہے۔
- اچانک ٹائنگر نے ڈرے اور کھپے ہوئے لہجے میں کہا وہ شاید عمران کے پھرے پر موجود پتھر ٹپٹی سنجیدگی کی وجہ سے سہما ہوا تھا۔

- میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ صرف دولت کی غرض سے لوگ اس حد تک کمزور کام بھی کر سکتے ہیں۔ معصوم بچوں کو اغوا کرنا دنیا کا سب سے کمزور ترین جرم ہے یہ ڈانگ کراؤم ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو زندہ آگ میں جلا دوں۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور ٹائنگر خاموش ہو گیا۔

- ہوٹل دکشا دیکھا ہوا ہے تم نے۔ آرام باغ کے علاقے میں

طرف بڑھنے لگا۔ ہوٹل میں جانے اور باہر نکلنے والے لوگوں میں سے اکثریت عام کاروباری افراد کی تھی۔ چونکہ یہ ہوٹل دور تک پھیلے ہوئے بازاروں کے درمیان واقع تھا اس لئے یہاں کاروباری افراد کی اکثریت نظر آرہی تھی۔ مین گیٹ سے داخل ہو کر عمران ایک لمحے کے لئے رک گیا۔ ہال میں بے پناہ شور تھا۔ لوگ کھانا کھانے اور ادنیٰ آواز میں مسلسل باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ ہال میں اس قدر شور تھا کہ وہ جگہ کھلی منڈی کا سماں پیش کر رہی تھی۔ ایک طرف ایک پرانا سا کاؤنٹر تھا۔ جس کے پیچھے ایک سیاہ لمبی داڑھی والا ادھیڑ عمر آدمی کھڑا ہوا تھا۔ جو دیڑوں کو بل بنا کر دینے اور ان سے کھانے کی رقم وصول کرنے میں مصروف تھا۔ جب کہ ایک اور نوجوان کاؤنٹر کے ایک کونے میں سلٹنے ایک فون رکھے ہوئے خاموش بیٹھا جیسے اونگھ سارہا تھا اس کی آنکھیں آدمی سے زیادہ بند تھیں۔ اسی لمحے نانگیر بھی اندر آگیا اور پھر عمران اسے ساتھ لئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

”کیا آپ رات کو جاگتے رہے ہیں؟“ عمران نے اونگھتے ہوئے نوجوان کے قریب جا کر کہا تو نوجوان نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور پھر اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمران کو دیکھنے لگا جیسے اسے سرے سے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔

”جس طرح آپ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس طرح تو میں آپ کو ہاتھی سے بھی زیادہ جوڑا نظر آ رہا ہوں گا۔“ عمران نے کہا تو نوجوان کے چہرے پر یقیناً شرمندہ سی مسکراہٹ دیکھنے لگی۔

”جی۔ جی۔ فرمائیے۔“ نوجوان نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

”سردار ارباب سے ملنا ہے۔“ عمران نے کہا تو نوجوان ایک بار پھر چونک پڑا۔

”آپ کا نام۔ کام۔ کہاں سے آئے ہیں۔ کس نے بھیجا ہے۔“ نوجوان اس طرح تیزی سے بولنے لگا جیسے اچانک کوئی ٹیپ چل پڑا ہو۔

”نام علی عمران۔ کام کی تلاش جاری ہے۔ بیرونی دروازے سے اندر آیا ہوں اور کچھ عالم خان ریشٹرز سب انسپکٹر پولیس نے بھیجا ہے۔“ عمران نے بھی اسی طرح میکانیکی انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا تو نوجوان ایک بار پھر جھینپ سا گیا۔ اس نے جلدی سے سلٹنے رکھے ہوئے فون کا رسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”عارف بول رہا ہوں جنتاب۔ کاؤنٹر سے جنتاب۔ دو صاحبان آئے ہیں۔ ایک کا نام علی عمران ہے انہیں عالم خان ریشٹرز سب انسپکٹر پولیس نے بھیجا ہے۔“ اس کے بولنے کا انداز ویسے ہی میکانیکی تھا۔

”بہتر صاحب۔“ دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد اس نے رسیور عمران کی طرف بڑھا دیا۔

”سردار صاحب سے خود بات کر لیجئے۔“ نوجوان نے کہا تو عمران نے مسکراتے ہوئے رسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

”ہیلو سردار ارباب صاحب میں علی عمران بول رہا ہوں۔“ عمران نے رسیور لیتے ہی کہا۔

آپ کون صاحب ہیں اور کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں..... دوسری طرف سے ایک بھاری اور قدرے سخت سی آواز سنائی دی۔

عالم خان نے مجھے بھیجا ہے اور سلسلہ تو آپ کو ان کا نام سن کر ہی معلوم ہو گیا ہوگا..... عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔
میں اس وقت بے حد مصروف ہوں۔ آپ کل تشریف لے آئیں..... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔

بہت مہربانی سردار صاحب آپ نے ملاقات کا وقت دے دیا ہے..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور رسیور کر یڈل پر رکھ دیا۔
اب کہاں جانا ہوگا..... عمران نے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

مجھے حیرت ہے کہ انہوں نے آپ کو وقت دے دیا ہے ورنہ وہ کسی اجنبی سے پہلی بار نہیں ملا کرتے بہر حال دوسری منزل کمرہ نمبر اٹھارہ میں چلے جلیے..... نوجوان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

آپ ذرا اٹھیے اور ہمارے ساتھ چلیے۔ اس طرح آپ کے ذہن پر چھائی ہوئی سستی بھی دور ہو جائے گی اور ہمیں بھی ادھر ادھر نہ بھٹکانا پڑے گا..... عمران نے جیب سے ایک بڑا نوٹ نکال کر نوجوان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا تو نوجوان کو جیسے الیکٹرک کرنٹ سا لگ گیا۔

اوہ۔ اوہ بالکل جناب بالکل آپ کی خدمت تو ہمارا فریض ہے..... نوجوان نے جلدی سے نوٹ کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا اور تیزی سے کاؤنٹر سے باہر آگیا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ چند لمحے پہلے یہی نوجوان بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

شکریہ..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس نوجوان کی رہنمائی میں وہ دائیں ہاتھ پر ایک راہداری میں جا کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر دوسری منزل پر پہنچ گئے۔ یہ ایک طویل راہداری تھی جس میں کروں کے دروازے تھے۔ کمرہ نمبر اٹھارہ کے سلسلے جا کر نوجوان رک گیا۔

بس ٹھیک ہے۔ اب آپ جا سکتے ہیں..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور نوجوان تیزی سے سر ملاتا ہوا واپس مڑ گیا۔
ایسے اس کا عمران کو دیکھنے کا انداز ایسے تھا جیسے عمران دنیا کا سب سے بڑا احمق ہو جس نے صرف چند سیڑھیاں چڑھنے کے لئے اسے اتنی بڑی ماییت کا نوٹ دے دیا ہو۔ حالانکہ وہ نہ جانتا تھا کہ عمران اسے صرف اس لئے وہاں تک لے آیا تھا تا کہ عمران کے سردار ارباب تک پہنچنے کے دوران وہ اسے دوبارہ فون نہ کر دے۔ عمران نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دبایا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ دروازے کی ساخت بتا رہی تھی کہ کمرہ ساؤنڈ پروف بنایا گیا ہے۔ دروازے پر ڈور فون موجود تھا عمران نے اس کا بشن دبا دیا۔

کون ہے..... فون سے وہی آواز سنائی دی جو اس سے پہلے

عمران کا بازو گھوما اور دوسرے لمحے سردار ارباب بے اختیار جمختا ہوا اچھل کر سائیڈ کی دیوار سے ٹکرایا اور نیچے فرش پر جا گرا۔ اس نے نیچے گر کر اٹھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ عمران کی لات حرکت میں آئی اور پھر کمرہ لگا تار تختوں سے گونج اٹھا۔ سجدہ لمحوں بعد ہی وہ آدمی فرش پر بے حس و حرکت پڑا نظر آ رہا تھا۔

”اسے اٹھا کر کرسی پر ڈالو۔“ عمران نے ٹائیگر سے کہا اور ٹائیگر نے جھٹک کر فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے سردار ارباب کا بازو پکڑا اور ایک جھٹکے سے گھسیٹ کر اس نے اسے ایک کرسی پر ڈال دیا۔

”اب یہاں رسی تو نہیں ہوگی۔ بیلٹ سے ہی کام لینا پڑے گا۔“ عمران نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہی باس ٹائیگر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے بندی سے اپنی بیلٹ کھولی اور پھر سردار ارباب کے دونوں ہاتھ عقب میں کر کے اس نے بیلٹ کی مدد سے باندھ دیئے۔“

”اب اسے ہوش میں لے آؤ۔“ عمران نے کہا تو ٹائیگر نے اس کی ناک اور منہ کو دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا۔ سجدہ لمحوں بعد سردار ارباب کے جسم میں حرکت کے تاثرات نمودار ہوئے۔ تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

”تمہارے پاس خنجر ہوگا۔ وہ مجھے دے دو۔ اس کا چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ آسانی سے زبان کھولنے والوں میں سے نہیں ہے۔“ عمران نے ٹائیگر سے کہا۔ اور ٹائیگر نے خاموشی سے کوٹ کی اندرونی جیب سے

عمران نے کاؤنٹر فون پر سنی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس نوجوان جس نے فون پر بات کرتے ہوئے اپنا نام عارف بتایا تھا۔ اس نے غلط رہنمائی نہیں کی تھی۔

”عارف ہوں۔ جناب ایک بہت ضروری بات ہے۔ جناب جو فون پر نہیں کی جاسکتی جناب۔“ عمران نے عارف کی آواز اور اس کے خاص انداز میں بات کرتے ہوئے کہا تو دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور اس کے ساتھ ہی عمران دروازے کو دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ کمرے کے اندر پہنچ کر اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ کمرہ واقعی ساؤنڈ پروف تھا۔

”لک لک کون ہو تم۔“ دروازے پر موجود ایک لمبے قد اور بھاری جسم کے آدمی نے اہتائی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ کمرہ خاصا بڑا تھا۔ لیکن اس بڑے کمرے کے ایک کونے میں بڑی سی دفتری میز تھی جس کے پیچھے ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ باقی کمرے میں کرسیاں اور صوفے رکھے ہوئے تھے۔ کمرے میں صرف وہی لمبے قد کا آدمی ہی تھا اور کوئی نہ تھا۔ عمران کے پیچھے ٹائیگر بھی اندر آ گیا تھا۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔

”تمہارا نام سردار ارباب ہے۔“ عمران نے کہا۔

”ہاں مگر تم کون ہو اور کیوں اس طرح اندر آئے ہو۔“ اس آدمی نے اب کرخت لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ تیزی سے قمیض کے اوپر بھینی ہوئی جیکٹ کی جیب کی طرف بڑھا ہی تھا کہ

ایک تیز دھار خنجر نکالا اور عمران کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسی لمحے سردار ارباب نے کرپتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے چند لمحوں تک تو اس کی آنکھوں میں دھند سی چھائی رہی پھر ان میں شعور کی چمک ابھرائی۔ اس نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کاندھے کو دبا کر اسے کرسی پر ہی بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔

”ٹائیگر اس کی کرسی کے عقب میں کھڑے ہو جاؤ۔ اسے اٹھنے نہ دینا۔“ عمران نے ٹائیگر سے کہا اور ٹائیگر تیزی سے گھوم کر سردار ارباب کی کرسی کی پشت پر آگیا۔ عمران نے ایک کرسی کھینچی اور سردار ارباب کے سامنے آکر بیٹھ گیا

”تم۔ تم کون ہو اور یہ تم نے میرے ہاتھ کیوں باندھ رکھے ہیں۔“ سردار ارباب نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں الجھن کے ساتھ ساتھ حیرت کا عنصر موجود تھا۔

”عالم خان کا حوالہ سننے کے باوجود ابھی تک تمہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہم لوگ کیوں تم سے ملنا چاہتے تھے۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

”عالم خان کو مگر میں تو کسی عالم خان کو نہیں جانتا۔“ سردار ارباب نے کہا۔

”عالم خان کی یادداشت بھی تمہاری طرح غائب ہو گئی تھی پھر جب اس کو موت سے ملنے نظر آنے لگی تو اس کی یادداشت فوراً بحال ہو گئی تھی۔ بہر حال تم نے صرف یہ بتانا ہے کہ وہ بڑا خان کون ہے جسے

تم دارالحکومت سے بچے اغوا کر کے پہنچاتے ہو۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔ بڑے خان کا نام سن کر سردار ارباب بے اختیار چوٹک پڑا لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

”کک کک کک کون بڑا خان میں تو کسی بڑے خان کو نہیں

جانتا۔“ سردار ارباب نے گڑبڑائے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ لیکن

دوسرے لمحے اس کے حلق سے نکلنے والی تیز چیخ سے کمرہ گونج اٹھا۔

عمران کا وہ ہاتھ جس میں اس نے خنجر پکڑا ہوا تھا بھلی کی سی تیزی سے

حرکت میں آیا تھا اور سردار ارباب کا ایک نکتنا آدھے سے زیادہ کٹ

گیا تھا۔ اس نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن ٹائیگر نے اس

کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے پوری طرح بے بس کر رکھا تھا۔ ابھی

پہلی چیخ کی بازگشت ختم نہ ہوئی تھی کہ عمران کا ہاتھ دوسری بار حرکت

میں آیا اور اس بار سردار ارباب کا دوسرا نکتنا بھی پہلے کی طرح آدھے

سے زیادہ کٹ گیا۔ کمرہ سردار ارباب کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ لیکن

عمران اس لئے مطمئن تھا کہ چیخوں کی آوازیں کمرے سے باہر سنائی نہ

دے رہی ہوں گی۔ دوسرا نکتنا کاٹنے کے بعد عمران نے خون آلود خنجر

ایک طرف رکھا اور دوسرے لمحے اس نے مڑی ہوئی انگلی کا ہک سردار

ارباب کی پیشانی پر ابھر آنے والی موٹی سی رگ پر آہستہ سے مارا تو

سردار ارباب کی حالت یقیناً انتہائی خستہ ہو گئی۔ اس کا پورا جسم اس

طرح کانپنے لگ گیا جیسے اسے جاڑے کا تیز بخار ہو گیا ہو۔ اس کے حلق

سے اب سسکی مٹا چنچیں نکلنے لگ گئی تھیں تکلیف کی شدت سے اس کا

”جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو فصول باتیں مت کرو۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

”سردار خان کی پہاڑی علاقوں میں اسلحہ تیار کرنے کی فیکٹری ہے۔ وہ منشیات کا بھی بہت بڑا سمگلر ہے۔ وہ تمام دھندے کرتا ہے تمام۔“ سردار ارباب نے کہا۔

”اس کی رہائش گاہ کہاں ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”راکوش میں۔“ راکوش میں اس کا ڈیرہ سب سے بڑا ڈیرہ ہے۔ وہ وہاں کا سب سے بڑا سردار ہے۔“ سردار ارباب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جہاں سے جو بچے اغوا ہوتے ہیں۔ وہ کہاں جاتے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”انہیں راکوش پہنچایا جاتا ہے۔ پھر ان کی چھاننی کی جاتی ہے پھر انہیں ان کی عمروں اور جسمانی طاقت کے مطابق فیکٹری میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ کام کرتے ہیں اس کے علاوہ ان لڑکوں کو غیر ملک میں بھی فروخت کر دیا جاتا ہے۔“ سردار ارباب نے کہا۔

”تھک سوشل ویلفیئر کے ایک افسر مراد نے ایک بار بروہ فروشوں کے ایک گروہ کی مخبری کی تھی اس گروہ کا سرغنہ میرن تھا۔ عالم خان تھانے دار نے اس گروہ کو پکڑا تھا۔ اس کے بعد اس افسر کو اغوا کر لیا گیا تھا وہ اب کہاں ہے۔ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

اد کے ابھی چھاری زبان خود بخود سب کچھ اگل دے گی۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ اٹھا اور اس بار شاید پیشانی پر مزی ہوئی انگلی کی ضرب پہلے سے کچھ زیادہ ہی طاقتور تھی کہ سردار ارباب کی حالت واقعی انتہائی غیر ہو گئی۔ اس کا منہ چیخ مارنے کے لئے تو کھلا لیکن حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی اور وہ کرسی پر ہی اس طرح پھرنے لگا جیسے اس کے جسم کے ایک ایک ریشے سے جان غلیچہ غلیچہ نکل رہی ہو۔ چند لمحوں تک اس کی یہی حالت رہی پھر اس کے حلق سے اس تواتر سے کرناک جینخیں نکلنے لگیں جیسے کوئی نیپ اچانک چل پڑا ہو۔

”بولو کون ہے بڑا خان۔“ عمران نے خراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ ایک بار پھر بلند کر دیا۔

”رک جاؤ مت مارو۔“ یہ ہولناک عذاب ہے۔ رک جاؤ۔ اس کا نام سردار خان ہے۔ وہ راکوش کا سب سے بڑا سردار ہے وہاں کے جرگے کا سردار ہے۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ رک جاؤ مجھے مت مارو۔“ سردار ارباب نے ہڈیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

”پوری تفصیل بتاؤ کہ اس کے کیا کیا دھندے ہیں۔ پوری تفصیل بتاؤ۔“ عمران نے خراتے ہوئے کہا۔

”میں بتاتا ہوں۔ اب میں سب کچھ بتا دوں گا اب میں نے تو مرنا ہی ہے۔ اب میں سب کچھ بتا رہا ہوں۔ یہ عذاب مت دو مجھے۔ گولی مار دو مجھے۔“ سردار ارباب نے کہا۔

”ہاں۔ ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ وہ مراد زندہ ہے۔ میں نے اسے اغوا کیا تھا۔ بڑے خان کے حکم پر۔ کیونکہ اس کی خبری کی وجہ سے بڑے خان کے کام میں رکاوٹ پڑی تھی۔ بڑے خان کو غیر ملک بھیجنے کے لئے فوری طور پر کافی تعداد میں بچے چاہئیں تھے۔ لیکن اس کی خبری کی وجہ سے میرن اور اس کے آدمی پکڑے گئے اور ان کے اغوا شدہ بچے رہا ہو گئے۔ بڑے خان کو غصہ آگیا۔ مراد کو اغوا کر کے بڑے خان کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ بڑے خان نے اسے سزا دی۔ اسے خوب زد و کوب کیا گیا۔ پھر اسے اسلحہ فیکٹری میں بھجوا دیا گیا۔ وہ اب بھی وہیں کام کرتا ہے۔“ سردار ارباب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”بڑے خان کے یہاں چہارے غلام اور کتنے آدمی ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”بہت سے آدمی ہیں۔ میرا تعلق تو صرف بچے اغوا کرنے تک ہے۔ ورنہ مال بیچنے والے۔ نوجوان لڑکیاں اغوا کر کے وہاں تک پہنچانے اور پھر ان لڑکیوں کو غیر ملک میں فروخت کرنے والے۔ اسلحہ فروخت کرنے والے۔ منشیات کا دھندہ کرنے والے بے شمار لوگ ہیں۔ بڑے خان کے بے شمار دھندے ہیں۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔“ سردار ارباب نے کہا۔

”نوجوان لڑکیوں کو بھی اغوا کیا جاتا ہے۔“ عمران نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں یہ بھی بڑے خان کا دھندہ ہے۔ خوبصورت اور نوجوان

لڑکیوں کو اغوا کر کے بڑے خان کے ڈیرے تک پہنچایا جاتا ہے اور وہاں سے انہیں دوسرے ملکوں میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔“ سردار ارباب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یہاں یہ کام کون کرتا ہے۔“ عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

”پہلے ماسٹر پنڈو کرتا تھا پھر وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا۔ اس کے بعد عالم خان کے ذمے یہ کام لگا دیا گیا۔ وہی عالم خان جس کا نام تم نے لیا تھا۔“ سردار ارباب نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دوسرے لمحے اس نے جیب سے ریو اور نکال لیا اور پھر اس سے پہلے کہ سردار ارباب کچھ کہتا عمران نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا اور گولی سردار ارباب کے دل میں اترتی چلی گئی۔ گولی چونکہ براہ راست دل میں لگی تھی اس لئے سردار ارباب کو تھپنے کی بھی پوری طرح مہلت نہ مل سکی اور وہ ختم ہو گیا۔

”اپنی بیلٹ بھی کھول لو اور اپنا خنجر بھی اٹھا لو۔“ عمران نے ٹائیگر سے کہا اور ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے سردار ارباب کی لاش کو نیچے فرش پر اوندھے منہ ڈالا اور پھر اس کے عقب میں بندھے ہوئے ہاتھوں سے بیلٹ کھولنے میں مصروف ہو گیا۔ جب کہ عمران اس دوران میز کی درازیں کھول کر ان کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن جب اسے وہاں اپنے کام کی کوئی چیز نہ مل سکی تو اس نے درازیں بند کر دیں اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

آؤ اب جہاں سے نکل چلیں عمران نے ٹائگر سے کہا اور
ٹائگر نے اثبات میں سر ہلادیا۔ چند لمحوں بعد وہ ہوٹل سے باہر آکر
ایک طرف کھڑی کار کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔

کمرے کا دروازہ کھلتا تو کرسی پر نیم دراز ادھیر عمر آدمی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اس آدمی کا چہرہ چوڑا تھا۔ قد لمبا اور وہ جسمانی طور پر استہانی مضبوط ساخت کا حامل تھا۔ اس کی سیاہ رنگ کی داڑھی تھی جس میں کہیں کہیں سفید رنگ کے بال بھی نظر آ رہے تھے۔ بڑی بڑی مونچھیں تھیں جو دونوں اطراف میں اس طرح سیدھی اکڑی ہوئی تھیں جیسے بالوں میں لوہے کے سریے فٹ کر دیئے گئے ہوں۔ لیکن مونچھوں کے آخری کنارے دونوں اطراف سے اوپر کواٹھ کر مڑے ہوئے تھے۔ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے والا ایک مقامی نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں ایک کارڈ لیس فون تھا۔

”سردار آپ کا فون ہے۔ دارالحکومت سے.....“ توجوان نے
استہائی مودبانہ لہجے میں کہا۔
”کس کا ہے.....“ کرسی پر نیم دراز آدمی نے غراتے ہوئے پوچھا۔

اس کی آواز میں کڑک اور بے پناہ رعب تھا۔

”جانو کا سردار۔۔۔“ نوجوان نے اسی طرح مؤدبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ہو نہ دو مجھے۔۔۔“ سردار نے غراتے ہوئے کہا اور ہاتھ بڑھا کر نوجوان سے کارڈ لیس فون پیس لے لیا۔ نوجوان فون پیس دے کر خاموشی سے واپس چلا گیا۔ سردار نے فون پیس کا ٹن دبایا۔

”پیس۔۔۔“ اس نے کڑک دار لہجے میں کہا۔

”بڑے خان۔ میں جانو بول رہا ہوں دارالکومت سے۔ آپ کا خادم جانو۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ حد سے زیادہ مؤدبانہ تھا۔

”ہاں یو نو کیا بات ہے۔ کیوں کال کی ہے۔“ بڑے خان نے اسی طرح کڑکدار اور رعب دار لہجے میں کہا۔

”سردار ارباب کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اس کی لاش اس کے خاص کمرے سے ملی ہے۔ اس کے دونوں نتھنے کٹے ہوئے ہیں۔ چہرہ اس طرح مسخ ہے جیسے اس پر اہتائی بے رحمانہ انداز میں تشدد کیا گیا ہو۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے کہا گیا تو بڑے خان کے ہنرے کا رنگ قدرے تبدیل ہو گیا۔

”کس نے ایسا کیا ہے اور کیوں۔۔۔۔۔ بڑے خان نے کہا۔

”جنتاب میں نے جو انکو اٹری کی ہے۔ اس کے مطابق دو آدمی ہو مل پہنچے۔ وہ کاڈنر برآئے۔ ان میں سے ایک نے اپنا نام علی عمران بتایا۔

اس نے کہا کہ اسے عالم خان نے بھیجا ہے۔ سردار ارباب نے انہیں اپنے خاص کمرے میں بلالیا۔ پھر وہ دونوں نبانے کس وقت گئے۔

بہر حال بعد میں سردار ارباب کی لاش ملی اور جنتاب عالم خان کے کمرے سے معلوم ہوا ہے کہ عالم خان کو اس کے کمرے سے اغوا کر لیا گیا ہے۔

اس کے ملازموں کو بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اس کے ایک ملازم رشید نے بتایا کہ وہاں بھی کار پر دو آدمی آئے تھے جن میں سے ایک نے کہا

کہ اس کا نام علی عمران ہے اور وہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر سنٹرل انشلی جنس یورڈ ہے۔ ملازم نے اسے اور اس کے ساتھی کو لے جا کر ڈرائنگ روم

میں بٹھایا اور عالم خان کو اطلاع کر دی۔ عالم خان ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ پھر اچانک ایک آدمی ملازم کے قریب آیا۔ اس نے اس کی

کٹہنی پر ضرب لگائی تو ملازم بے ہوش ہو گیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو عالم خان اور وہ دونوں آدمی غائب ہو چکے تھے اور جنتاب میں نے اس پر

سارے شہر میں اپنے آدمیوں کی پڑتال کی ہے تو اہتائی حیرت انگیز اطلاعات ملی ہیں جنتاب۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”کیا اطلاعات ملی ہیں۔ تفصیل سے بتاؤ۔“ بڑے خان نے تیز لہجے میں کہا۔

”جنتاب پاپے اٹھانے والے سارے گروپ اچانک غائب ہو گئے ہیں۔ ایک گروپ کا سرغنہ جامو تھا۔ اس کے ڈیرے پر اس کے

آدمیوں کی لاشیں پولیس کو ملی ہیں۔ جب کہ جامو اور پلوں کا سودا کرنے والے کرمو دادا غائب ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ چار آدمی کرمو دادا

کے ہوٹل آئے انہوں نے آپ کی نشانی دے کر پتے طلب کئے۔ کرمو دادا ان کے ساتھ جاسو کے ذریعے پر گیا۔ اس کے بعد وہاں سے لاشیں ملیں۔ پتے اٹھانے والے سارے گروپ اچانک غائب ہو گئے ہیں۔ یہی معلومات ملی ہیں کہ ان سب کو اچانک چار افراد کی ٹویوں نے اٹھا لیا ہے اور ان کی لاشیں تک نہیں ملیں۔ انہی گروپوں کے پاس پچاس پتے تھے۔ وہ پچاس کے پچاس پتے واپس اپنے گمروں تک پہنچا دیئے گئے ہیں۔ عالم خان کے گروپ کے بڑے آدمیوں کو بھی ہوٹلوں اور ان کی رہائش گاہوں سے اٹھایا گیا ہے۔ انہیں اٹھانے والے درسیہ نام دیو قامت اکیمریمین نیگرو ہیں۔ دوسری طرف سے کہا گیا تو بڑے خان کے ہونٹ یکخت بھنج سے گئے۔

یہ سب کیسے ہو گیا اور کس نے یہ جرات کی ہے کہ ہمارے آدمیوں پر اس طرح ہاتھ ڈالے۔ بڑے خان نے استہانی غصے سے بچے میں کہا۔

جنتاب میں نے اس سلسلے میں پوری انکوائری کرائی ہے اور جنتاب جو شواہد ملے ہیں۔ ان کے مطابق سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل سر عبدالرحمن کے لڑکے کا نام علی عمران ہے۔ وہ کنگ روڈ کے ایک فلیٹ میں اپنے باورچی کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ دونوں اکیمریمین نیگرو اس کے ساتھی بتائے جاتے ہیں اور جنتاب اس کا ایک ساتھی یہاں دارالحکومت کا بد معاش ٹائیگر بھی ہے۔ عالم خان کے اغوا اور سردار ارباب کی ہلاکت میں وہ علی عمران اور ٹائیگر دونوں شامل

تھے اور جنتاب مزید جو اطلاعات ملی ہیں ان کے مطابق دارالحکومت میں ایک نیا گروپ ظاہر ہوا ہے جس کا نام فورسٹرز ہے۔ اس گروپ نے پہلے پاکیشیا میں منشیات کے بڑے بڑے گروپوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اس گروپ کے ہاتھوں بم دھماکے کرنے والے گروپس کا بھی خاتمہ ہوا ہے اور اب بھی گروپ آپ کے آدمیوں کے پیچھے لگ گیا ہے جنتاب۔ جانو نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کچھ بڑے خان نے استہانی کرخت لہجے میں کہا۔

آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی جنتاب۔ جانو نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

تم ایسا کرو کہ حاذق کے پاس چلے جاؤ۔ اسے ساری تفصیل بتا دینا۔ میں اسے فون کر دیتا ہوں۔ وہ خود ہی سارا بندوبست کر لے گا۔ بڑے خان نے کہا۔

حکم کی تعمیل ہوگی جنتاب۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور بڑے خان نے فون پیس کا ایک بٹن پریس کیا اور پھر تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

حاذق کارپوریشن..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

حاذق سے بات کراؤ میں بڑا خان بول رہا ہوں..... بڑے خان نے دینگ لہجے میں کہا۔

میں سر۔ میں سر۔ دوسری طرف سے اہتائی بو کھلائے ہوئے

لجے میں کہا گیا۔

جس میں آپ کا خادم حافظ بول رہا ہوں۔ جناب۔ چند لمحوں

بعد ایک اہتائی مودبانہ مردانہ آواز سنائی دی۔

جانو تمہارے پاس آ رہا ہے۔ وہ تمہیں تفصیل بتا دے گا۔ چند

کھنوں نے ہماری طرف منہ کر کے بھونکنے کی جرأت کی ہے ہم ان کھنوں

کو فوری طور پر سبق سکھانا چاہتے ہیں۔ تم ان سارے کھنوں کو ٹریس

کر کے گولیوں سے اڑا دو۔ بڑے خان نے اہتائی کڑکدار لہجے میں

کہا۔

حکم کی تعمیل ہوگی جناب۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

اس معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے کچھ بڑے

خان نے تیز لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے فون پیس کا بٹن

آف کیا اور اسے ایک طرف موجود تپائی پر رکھ کر اس نے کرسی کی

پشت سے سرٹکایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر اہتائی

گہرے اطمینان کے تاثرات نمایاں تھے۔

ٹائیگر ہوٹل شیرٹن کے منیجر رالف کے دفتر میں بیٹھا اس سے

باتوں میں مصروف تھا کہ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور

منیجر رالف نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھالیا۔

ہیں۔ رالف نے تیز لہجے میں کہا۔

جناب ٹائیگر کی کال ہے۔ ان کا دوست حافظ ان سے فوری طور

پر بات کرنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف سے پرسنل سیکرٹری کی

مودبانہ آواز سنائی دی۔

اچھا۔ منیجر نے کہا اور رسیور ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔

تمہاری کال ہے۔ تمہارا کوئی دوست ہے حافظ بات کرنا چاہتا

ہے۔ رالف نے کہا تو ٹائیگر چونک پڑا۔

حافظ اچھا۔ ٹائیگر نے کہا اور رسیور لے لیا۔

ٹائیگر بول رہا ہوں۔ ٹائیگر نے رسیور لے کر بات کرتے

سے کہا گیا اور ٹائیگر بے اختیار ہنس پڑا۔

- کوئی بات نہیں ایک آدمی غلط عادت کو بھی بدداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ ٹائیگر نے ہنستے ہوئے کہا تو دوسری طرف سے حاذق کے بھی ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

- ٹھیک ہے مجبوری ہے۔ کرنا پڑے گا۔ لیکن پھر یہ کام فوری طور پر کرنا پڑے گا کیونکہ وہ پارٹی بے حد جلدی میں ہے۔ حاذق نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

- جب تم کہو۔ ٹائیگر نے کہا۔

- جب کا کیا سوال۔ ابھی آجاؤ۔ سیرا گرین فال والا اڈہ تو تم نے دیکھا ہوا ہے وہاں آجاؤ۔ پارٹی وہیں موجود ہے۔ اچھا ہے سارے معاملات ابھی طے ہو جائیں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

- اوکے میں آ رہا ہوں۔ ٹائیگر نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

- مجھے اجازت رائف ایک بڑا کام مل رہا ہے۔ ٹائیگر نے رسیور رکھ کر کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

- اوکے۔ رائف نے کہا اور ٹائیگر تیز تیز قدم اٹھاتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی کار ہوٹل شیرٹن سے نکل کر گرین فال کالونی کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ حاذق یہاں کا ایک مشہور بد معاش تھا۔ بظاہر اس نے الیکٹرونکس درآمد کرنے والی کارپوریشن بنائی ہوئی تھی لیکن درپردہ اس کا دھندہ شراب کی سنگٹنگ اور بڑے بڑے خفیہ جو خانے چلانا تھا۔ چونکہ غیر ملکی مجرم گروہوں

ہوئے کہا۔

- حاذق بول رہا ہوں ٹائیگر میرے پاس جہاز کے مطلب کا ایک کام ہے۔ میں نے تمہیں ہر جگہ تلاش کیا۔ بڑی مشکل سے پتہ چلا ہے کہ تم شیرٹن ہوٹل کے نیچر سے ملنے گئے ہو۔ دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

- کس نام کا کام ہے۔ ٹائیگر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

- ایک غیر ملکی تنظیم ہے۔ کوئی بڑا کام کرانا چاہتی ہے۔ ملکی سطح پر لیکن اس کی ڈیمانڈ ہے کہ آدمی اس قسم کا ہو ناچلے جسے کہ جو صدر مملکت پر بھی حملہ کرنے سے گریز نہ کرے۔ میں نے ان سے بات کر لی ہے۔ انتہائی معقول معاوضہ مل سکتا ہے۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

- کس ملک کی تنظیم ہے۔ ٹائیگر کے لہجے میں اس بار خاصی دلچسپی نمایاں تھی۔

- یونٹائیڈ کلاؤڈز کے لوگ ہیں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

- کیا تم ان سے میری براہ راست بات کر سکتے ہو۔ ٹائیگر نے پوچھا۔

- اس کی کیا ضرورت ہے۔ تم جو معاوضہ کہو گے تمہیں مل جائے گا۔ دوسری طرف سے حاذق نے کہا۔

- نہیں تمہیں معلوم ہے کہ میں براہ راست بات کرنے کا قائل ہوں۔ تمہیں جہاز اکیشن مل جائے گا۔ ٹائیگر نے جواب دیا۔

- یہی ایک عادت تم میں اچھی نہیں ہے ٹائیگر۔ دوسری طرف

”اور کون ہے ساتھ اس کے“ ٹائیگر نے پوچھا۔

”دو غیر ملکی مسلمان ہیں، جناب“۔ نو جوان نے جواب دیا تو ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تہہ لمبوں بعد ٹائیگر یہ سچیاں اتر کر تہہ خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

”تشریف لے جائیے، جناب باس اندر ہیں“۔ نو جوان نے وہاں پہنچ کر ایک طرف ہنستے ہوئے کہا تو ٹائیگر نے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ ٹائیگر اندر داخل ہوا۔ یہ ایک خاصا وسیع تہہ خانہ تھا۔ لیکن اندر داخل ہوتے ہی ٹائیگر بے اختیار چونک پڑا کیونکہ تہہ خانہ خالی تھا۔ وہاں نہ حاذق تھا اور نہ غیر ملکی۔ ابھی ٹائیگر ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک ٹائیگر کو اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ ٹائیگر تیزی سے مڑنے ہی لگا تھا کہ یکفٹ اچھل کر منہ کے بل آگے آگرا۔ اس کے سر پر اچانک ایک زوردار ضرب لگی تھی۔

نیچے گرتے ہی اس نے بھلی کی سی تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسی لمحے اس کے سر پر دوسرا دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن پر اندھیرے مسلط ہوتے چلے گئے۔ پھر جیسے اندھیروں میں روشنی کی کرنیں چمکتی ہیں اس طرح روشنی کی کرنیں اس کے ذہن میں نمودار ہوئیں اور آہستہ آہستہ پھیلتی چلی گئیں اور ٹائیگر کی آنکھیں کھل گئیں۔ پوری طرح ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے تو اسے اپنے سر میں درد کی تیز لہریں سی دوڑتی محسوس ہوئیں۔ اسے ایک لمحے کے لئے تو یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کا سر کئی ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا ہو

سے بھی اس کے قریبی رابطے تھے اس لئے ٹائیگر نے اسے دوست بنایا ہوا تھا اور اس نے کئی بار حاذق کے غیر ملکی دوستوں کو چھوئے ہوئے کام بھی معاذ اللہ لے کر دیئے تھے۔ کیونکہ ٹائیگر صرف اس کام کی عمر ان کو اطمینان دیتا تھا جس میں ملکی سلامتی کو کوئی خطرہ درپیش ہوتا۔ درنہ عام بد معاشرے کے کام وہ بد معاشرے کے سے ہی انداز میں کرتا تھا اور چونکہ کام کرنے کے بارے میں وہ بے حد تیز ثابت ہوتا تھا۔ اس لئے پورے دارالحکومت کے تجربوں کے اونچے طبقے میں اس کی بڑی ساکھ بنی ہوئی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کے بعد ٹائیگر نے ایک بڑی اور شاندار کوٹھی کے گیت پر جا کر کار روکی اور پھر مخصوص انداز میں تین بار بارن بجایا تو کوٹھی کا جھنڈا پھانک کھٹا اور ایک نو جوان باہر آیا۔

”اوہ صاحب آپ ہیں پھانک کھٹاتا ہوں“۔ نو جوان نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ٹائیگر کو دیکھ کر کہا اور تیزی سے واپس مڑ گیا۔ یہ نو جوان حاذق کا خاص آدمی تھا اس لئے وہ ٹائیگر کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ چند لمبوں بعد پھانک کھل گیا اور ٹائیگر نے کار آگے بڑھا دی۔ پورچ میں نیلے رنگ کی جدید ماڈل کی کار موجود تھی۔ ٹائیگر نے کار پورچ میں روکی اور پھر نیچے اتر آیا۔ اسی لمحے وہ نو جوان جو پھانک پر نظریا تھا تیز قدم اٹھاتا پورچ میں پہنچ گیا۔

”آئیے، جناب باس نیچے تہہ خانے میں ہیں“..... نو جوان نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

کہنے جا سکیں۔۔۔ حاذق نے ملازم سے مخاطب ہو کر کہا اور ملازم سر ہلاتا ہوا تیزی سے ایک کونے میں موجود کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

”جہیں اپنے آپ کو اس انداز میں دیکھ کر یقیناً حیرت و حیرت ہو گی
نا نیک۔“ حاذق نے نا نیک سے مخاطب ہو کر طنزیہ سے لہجے میں کہا

”ظاہر ہے حیرت تو ہوتی ہی ہے۔“ نا نیک نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ اسی لمحے ملازم نے کرسی لاکر سامنے رکھ دی اور حاذق اس کرسی پر بیٹھ گیا جب کہ ملازم اور وہ پہلوان مٹا آدمی ایک طرف خاموش کھڑے ہو گئے۔

”دیکھو نا نیک مجھے معلوم ہے کہ تم بہت بڑے بد معاش ہو۔ تم پر ہاتھ ڈالنا خاصا جان دو کھوں کا کام ہے لیکن میں نے مجبوراً یہ قدم اٹھایا ہے۔ اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو میرا وعدہ کہ میں نہ صرف تمہیں آزاد کر دوں گا بلکہ تم جہاں سے صحیح سلامت بھی واپس جاؤ گے۔“ حاذق نے کرسی پر بیٹھتے ہی نا نیک سے مخاطب ہو کر کہا۔

”کس قسم کا تعاون۔“ نا نیک نے ہونٹ جباتے ہوئے پوچھا۔
”میں تمہیں تفصیل بتا دیتا ہوں۔ تم نے علی عمران کے ساتھ مل کر عالم خان ریٹائرڈ پولیس آفیسر کو اغوا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تم نے اس عمران کے ساتھ مل کر ہوٹل دلکش جاکر سردار ارباب کو ہلاک کیا۔ یہ دونوں آدمی ایک بہت بڑی پارٹی سے متعلق ہیں۔ اس پارٹی نے ان دونوں واقعات کا انتہائی سخت نوٹس لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ رپورٹ بھی ملی ہے کہ چار افراد پر مشتمل ایک نئے گروپ فور

لیکن جب اس نے اپنے آپ کو ایک کرسی پر رسیوں سے بندھا ہوا بیٹھا محسوس کیا تو شدید ترین حیرت کی وجہ سے اسے سر کا درد بھی بھول گیا۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا وہ اسی تہ خانے میں موجود تھا۔ جس میں داخل ہونے کے بعد اس پر حملہ کیا گیا تھا۔ لیکن اب وہ تہ خانے کے درمیان کڑکی کی ایک کرسی پر رسیوں سے بندھا بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن تہ خانے میں اور کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ نا نیک نے اپنے بازوؤں کو حرکت دینی شروع کر دی۔ تاکہ رسیوں کو جھیک کر کے فوری طور پر ان سے نجات حاصل کر سکے لیکن رسیاں کچھ اس ماہرانہ انداز میں باندھی گئی تھیں۔ کہ نا نیک باوجود شدید کوشش کے اپنے بازوؤں اور ہاتھوں کو معمولی سی حرکت بھی نہ دے سکا۔ ابھی وہ اپنی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اسے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دوسرے لمحے اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ کیونکہ دروازے سے ایک لمبے قد اور چہرے جسم کا آدمی اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی مکارانہ سی مسکراہٹ تھی۔ یہ حاذق تھا جس کی کال پر نا نیک جہاں آیا تھا۔ اس کے پیچھے دو آدمی تھے جن میں سے ایک تو وہ ملازم تھا جو نا نیک کو گیٹ سے جہاں تہ خانے تک لے آیا تھا اور دوسرا ایک پہلوان مٹا آدمی تھا۔ جو سر سے گنجا تھا۔ اس کی پتلون کی بیلٹ کے ساتھ ایک خادار کو ڈانکا ہوا تھا وہ اپنے طیلے اور لباس سے کوئی عام سادہ معاش لگ رہا تھا۔

”نصیر وہ کرسی اٹھا کر جہاں سامنے رکھو تاکہ نا نیک سے مذاکرات

سٹارز نے اس پارٹی کے لئے کام کرنے والے لوگوں کو بھی غائب کرا دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دو ایکریمین سیاہ فام افراد نے عالم خان سے متعلق افراد کو اغوا کر کے غائب کرا دیا ہے۔ میرے ذمے اس پارٹی نے یہ کام لگایا ہے کہ میں تمہیں۔ عمران اس فور سٹارز نامی گروپ اور ان دونوں ایکریمین سیاہ فاموں کو ٹریس کر کے شتم کر دوں میں نے جو انکو آڑی کی ہے اس کے مطابق عمران تمہارا ساتھی ہے اور وہ دونوں سیاہ فام اس عمران کے ساتھی ہیں اور اگر واقعات کی کڑیاں جوڑی جائیں تو وہ چار افراد جنہوں نے فور سٹارز گروپ بنایا ہے وہ بھی عمران اور تمہارے ساتھی ہیں۔ جہاں تک عمران کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں تو مجھے معلوم ہے کہ وہ کنگ روڈ کے ایک فلیٹ پر رہتا ہے۔ میرے آدمی اس فلیٹ کی نگرانی کر رہے ہیں اور جیسے ہی عمران وہاں آئے گا وہ اس کو ہلاک کر دیں گے۔ میں نے تمہیں اس لئے یہاں بلا کر باندھا ہے کہ تم مجھے ان دونوں سیاہ فاموں اور اس فور سٹارز گروپ سے متعلق افراد کے بارے میں میں تفصیلات مہیا کر دو۔

حاذق نے بڑے سنجیدہ لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”جب بقول تمہارے دو سیاہ فام اور فور سٹارز عمران کے ساتھی ہیں تو تم عمران کو ہلاک کرنے کی بجائے اسے اغوا کر کے اس سے پوچھ گچھ کیوں نہیں کر لیتے“..... ٹائیگر نے کہا۔

”میں نے جہاں تک عمران کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ یہی بتایا گیا ہے کہ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ اس لئے میں کوئی رسک

نہیں لینا چاہتا۔ اس لئے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ اگر تم ان سب کے متعلق تفصیلات درست طور پر بتاؤ تو میں ان سب کو ہلاک کرنے کے بعد تمہیں رہا کر دوں گا اور اس کے ساتھ ساتھ جو معاوضہ تم چاہو وہ بھی ادا کر دوں گا۔ لیکن اگر تم نے نہ بتایا تو پھر یہ خاردار کوڑا بردار تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کے کوڑے کی ضربات تمہاری روح سے بھی سب کچھ اٹکوا لیں گی۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ حاذق نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جہاں تک ان دو سیاہ فاموں کا تعلق ہے ان کے متعلق تو میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں مل سکتے ہیں۔ باقی فور سٹارز کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔“ ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”چلو ان دو کے بارے میں بتا دو فور سٹارز کے متعلق میں خود معلومات کراؤں گا۔“ حاذق نے چونک کر کہا۔

”دیکھو حاذق تم میرے متعلق اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھ پر رعب ڈال کر اور مجھے دھمکا کر تم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر تم دوستانہ طور پر مجھ سے معاوضہ ملے کر دو تو میں تمہیں معلومات مہیا کر سکتا ہوں۔ کیونکہ علی عمران سے میری کوئی دوستی نہیں ہے۔ وہ میری پارٹی ہے۔ وہ میری خدمات معاوضے پر حاصل کرتا ہے۔ اس لئے اس کے مرنے یا زندہ رہنے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم جو چاہو اس کے ساتھ سلوک کرو۔ بلکہ اگر تم چاہو اور مجھے معقول معاوضہ دو تو میں اس عمران کے خاتمے میں بھی تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ لیکن اگر

تمہارے ذہن میں یہ بات ہے کہ تم کوڑے مار کر مجھ سے میری مرضی کے بغیر کچھ معلوم کر سکو گے تو پھر جس طرح چاہے طبع آزمائی کر کے دیکھ لو۔ تمہیں بہر حال مایوسی ہوگی۔ ٹائیگر نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

۲۰..... کیا تم واقعی اس بارے میں میری مدد کرو گے۔ کیا تم حلف لیتے ہو۔ حاذق نے حریت بھرے لہجے میں کہا۔

۰ اگر تم اعتماد کر سکتے ہو تو کر لو۔ میں نے کبھی کسی کام کے لئے حلف نہیں اٹھایا۔۔۔ نائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اد کے میں تم پر اعتماد کرتا ہوں حاذق نے ہجہ لئے
خاموش رہنے کے بعد ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا اور اس کے
ساتھ ہی اس نے نصیر سے مخاطب ہو کر اسے کہا کہ وہ ٹائیگر کی رسیاں
کھول دے۔

”اور تم جا سکتے ہو۔“ حاذق نے اس پہلوان نسا آدمی سے مخاطب ہو کر کہا اور پہلوان نسا آدمی خاموشی سے مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا تہہ خانے سے باہر نکل گیا۔ نصیر نے ٹائیگر کے جسم کے گرد بندھی ہوئی رسیاں کھول دیں۔

مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باندھے جانے کا برا نہیں منائے گے یہ میری مجبوری تھی۔ میں نے یہی سمجھا تھا کہ تم عمران کے خلاف میرے ساتھ تعاون نہیں کرو گے..... حاذق نے کہا۔

”معاوضے پر کام کرنے والے لوگ صرف معاوضے سے ہی دلچسپی

رکھتے ہیں حاذق۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو حاذق نے بھی مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔

”اؤ میرے ساتھ ہم اوپر بیٹھے کر اچھے ماحول میں بات کریں
میں حالات نے کہا اور واپس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہتھ
لکوں بعد وہ دونوں سنگ روم میں موجود تھے۔

تم کیا پتہ پسند کرو گے۔

کچھ نہیں کام کے وقت میں بیٹا پلانا پسند نہیں کیا کرتا۔۔۔ مانگیر
نے جواب دیتے ہوئے کہا اور حاذق نے نصیر کو واپس جانے کا کہہ دیا۔
ہاں اب بولو کہ تم اس کام کا کیا معاوضہ لو گے۔ تاکہ کام کو آگے
بڑھایا جاسکے۔ حاذق نے کہا۔

تم سب سے پہلے اپنے آدمیوں کو واپس بلاؤ جو عمران کے فلیٹ کی نگہبانی کر رہے ہیں کیونکہ اگر انہوں نے عمران پر حملہ کرنے کی حماقت کر دی تو عمران کو تو کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ ان آدمیوں کی مدد سے جہاری گردن ضرور پکڑ لے گا اور وہ ایسا آدمی ہے کہ ایک بار جو اس کے پنجے میں پھنس جائے پھر اس کی رہائی ناممکن ہو جاتی ہے۔

لیکن میں نے پارٹی سے کام لیا ہے کہ میں اس کا خاتمہ کروں گا۔ سماؤق نے کہا۔

پہلے اس سے فور سٹارز کے گروپ کے بارے میں معلومات تو حاصل کر لو۔ میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتا سکتا ہوں کہ تم اسے

بالکل اسی طرح باندھ سکتے ہو۔ جس طرح تم نے مجھے باندھ لیا تھا۔
ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ اگر ایسا کوئی طریقہ ہے تو ضرور بتاؤ۔“ حاذق نے چومکتے ہوئے کہا۔

”جس طرح میں تمہاری کال پر یہاں آگیا تھا۔ اسی طرح عمران میری کال پر یہاں آجائے گا۔ اس کے بعد ہم دونوں مل کر اسے بے بس کر لیں گے۔ بلکہ اگر تم محلول معادضہ دو تو اس سے پوچھ بچھ کا فریضہ بھی میں ادا کر دوں گا۔ معلومات ملنے کے بعد تمہارے لئے اس سارے مسئلے سے نشنا کوئی مشکل نہ رہے گا۔“ ٹائیگر نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔ معاف نہ بتاؤ۔“ حاذق نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”صرف دس لاکھ روپے۔“ ٹائیگر نے کہا۔

”مجھے منظور ہے۔ میں پانچ لاکھ تمہیں ابھی دے دیتا ہوں۔ پانچ لاکھ اس وقت جب عمران سے معلومات مل جائیں گی۔“ حاذق نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔“ ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں رقم لے آتا ہوں۔“ حاذق نے کہا اور اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ ٹائیگر اطمینان سے بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد حاذق کی واپسی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ اس نے بریف کیس کھول کر درمیانی میز پر رکھ دیا۔

”گن لو۔ پورے پانچ لاکھ ہیں اور ہاں میں نے ٹرانسمیٹر پر اپنے آدمیوں کو بھی فلیٹ کی نگرانی سے واپس بلا لیا ہے۔“ حاذق نے کہا۔

”ٹھیک ہے گننے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ٹائیگر نے کہا اور بریف کیس بند کر کے اس نے اپنی طرف نیچے زمین پر رکھ دیا اور پھر سامنے رکھے ہوئے فون کا رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیتے۔

”رانا ہاؤس۔“ رابطہ قائم ہوتے ہی جوزف کی آواز سنائی دی۔

”ٹائیگر بول رہا ہوں عمران صاحب ہیں۔“ ٹائیگر نے کہا۔

”ہاں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”ان سے بات کراؤ۔“ ٹائیگر نے کہا۔

”ہولڈ آن کرو۔“ جوزف نے کہا اور پھر چند لمحوں بعد رسیور پر عمران کی آواز سنائی دی۔

”میں عمران بول رہا ہوں۔“ عمران کا لہجہ سپاٹ تھا۔

”ٹائیگر بول رہا ہوں عمران صاحب گرین فال کالونی کی کوٹھی نمبر چھ سو چھ اے بلاک سے۔ بڑے خان کے اصل دھندوں کے بارے میں آپ نے میرے ذمے مزید تفصیلات حاصل کرنے کا کام لگایا تھا۔ اس سلسلے میں یہاں ایک آدمی موجود ہے۔ جو مکمل تفصیلات مہیا کر سکتا ہے۔ اگر آپ فوری طور پر آجائیں تو بہتر رہے گا۔“ ٹائیگر نے کہا۔

نے جواب دیا۔

اب عمران کے آنے پر تم کیا کرو گے کس طرح اسے قابو میں کرو گے۔ کوئی طریقہ سوچا ہے تم نے۔ حاذق نے کہا۔

سنو عمران انتہائی تیز و شیر اور خطر آویز ہے۔ اگر ہم نے ذرا بھی خلاف معمول کوئی حرکت کی تو اسناہم دونوں اس کے ہاتھ پھنس جائیں گے۔ اس لئے بالکل معمول کے مطابق کارروائی کرنی ہوگی۔ میں اس کا تعارف تم سے کراؤں گا۔ پھر جیسے ہی موقع دیکھوں گا۔ اچانک اس کی کتپنی پر ضرب لگا دوں گا اور وہ مطمئن ہونے کی وجہ سے مار کھا جائے گا۔ اس کے بے وز ہو جانے پر ہم اسے ہاندہ لیں گے اس کے بعد اس سے پوچھ گچھ سیرے ڈے رہی۔ بہر حال جہادرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ نانگیر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

فحشک ہے جیسے تم مناسب سمجھو میں نے بہر حال تم پر اعتماد کر لیا ہے۔ حاذق نے جواب دیا۔

تم قطعی بے فکر ہو سب کچھ ادا کے ہو جائے گا۔ نانگیر نے جواب دیا اور حاذق نے اثبات میں سر ہلادیا۔ پھر تقریباً دس منٹ بعد اطلاعی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔

اؤ میرے ساتھ ہمیں خود باہر جا کر اس کا استقبال کرنا ہوگا۔ نانگیر نے کہا تو حاذق کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں جب کمرے سے نکل کر بیرونی برآمدے میں پہنچے تو ملازم نسیم پھاٹک کی طرف جاتا دکھائی دیا۔

میں آ رہا ہوں۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور نانگیر نے

سیور رکھ دیا۔ تم ساری عمر کوشش کرتے رہتے تو عمران کو نہ کر سکتے تھے لیکن میں نے کس طرح اسے یہاں بلوایا ہے۔ نانگیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن تم نے بڑے خان کا نام لیا ہے۔ یہ کون ہے۔ حاذق نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو نانگیر بے اختیار ہنس پڑا۔

جہادرا خیال ہے کہ جہادری پارٹی کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہے اور میں صرف جہادری کل ملنے پر سن اٹھائے جہاں آگیا ہوں ایسی کوئی بات نہیں حاذق مجھے معلوم ہے کہ راکوش کا بڑا خان جس کا نام سردار خان ہے۔ یہ سارے دھندے اسی کے ہیں اور تم بھی اسی کے کہنے پر یہ ساری کارروائی کر رہے ہو۔ میں نے جہادے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ صرف اس لئے کیا ہے کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ بڑا خان بہت بڑی پارٹی ہے اور ایسے لوگ معاونہ دینے کے سلسلے میں بادشاہ ہوتے۔ میں اس لئے جہادے ذریعے میرا بھی اس سے لنک ہو جائے گا۔ نانگیر نے ہنستے ہوئے کہا تو حاذق بھی بے اختیار ہنس پڑا۔

تم تو میری توقع سے بھی زیادہ ہوشیار آدمی ہو۔ حاذق نے قدرے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

ایسے دھندوں میں ہوشیاری کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔ نانگیر

لہجے جانتے ہیں۔ عمران نے سنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے
حاذق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں یہ ان کے خاص آدمی ہیں۔ ٹائیگر نے جواب دیا اور
دوسرے لہجے اس کا بازو بجلی کی سی تیزی سے گھوما اور حاذق جھٹکا ہوا
اچھل کر پہلو کے بل نیچے گرا۔ عمران اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔

ارے کیا ہوا۔ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا لیکن اسی
لہجے ٹائیگر کی لات حرکت میں آئی اور فرش سے اٹھتا ہوا حاذق کنپٹی پر
بھر پور ضرب کھا کر ایک بار پھر نیچے گرا اور ساکت ہو گیا۔ عمران کے
چہرے پر حیرت کے تاثرات نمایاں تھے۔ کیونکہ ٹائیگر کی یہ کارروائی
اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

میں اس کے ملازموں کو بے ہوش کر دوں پھر تفصیل بتاتا
ہوں۔ ٹائیگر نے کہا اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
ملازم نصیر اسے سنگ روم کی طرف آمادہ کمانی دیا۔

کیا ہوا صاحب یہ چیخ کیسی تھی۔ نصیر نے ٹائیگر کو دیکھ کر
حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

کون سی چیخ۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے
ساتھ ہی اس کا ہاتھ ایک بار پھر گھوما اور نصیر جھٹکا ہوا اچھل کر نیچے گرا
ہی تھا کہ ٹائیگر نے اس کی کنپٹی پر لات جڑی اور وہ ساکت ہو گیا۔
ٹائیگر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ کونہی میں ملازموں کی تعداد زیادہ نہ تھی
نصیر کے علاوہ صرف دو اور ملازم ٹائیگر کو ملے جنہیں اس نے بے ہوش

اگر آنے والا عمران ہو تو پھانک کھول دینا۔ ٹائیگر نے ملازم
سے مخاطب ہو کر زور سے کہا تو ملازم نے مڑ کر دیکھا اور پھر حاذق کے
اثبات میں سر ملانے پر وہ ایک بار پھر مڑا اور تیزی سے پھانک کی طرف
بڑھ گیا۔ پہلے اس نے چھوٹا پھانک کھولا اور باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد
وہ واپس آیا۔ اس نے چھوٹا پھانک بند کر کے بڑا پھانک کھول دیا تو
ٹائیگر نے عمران کی کار اندر آتے دیکھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر عمران تھا
ٹائیگر حاذق سمیت برآمدے سے اتر کر پورچ میں آگیا۔ عمران نے کار
رو کی اور پھر نیچے اتر آیا۔

عمران صاحب یہ حاذق کار پوریشن کے چیف حاذق صاحب ہیں
اور حاذق صاحب یہ عمران ہیں۔ ٹائیگر نے ان دونوں کا تعارف
کراتے ہوئے کہا۔

خالی حاذق۔ یا حکیم حاذق۔ عمران نے مسخارے کے لئے ہاتھ
بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

میں حکیم نہیں ہوں جناب۔ حاذق نے مسخارے کرتے
ہوئے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

چلیے حاذق تو ہیں۔ یہی کافی ہے۔ عمران نے مسکراتے
ہوئے جواب دیا اور پھر ذرا تینوں اس سنگ روم کی طرف بڑھنے لگے۔
حاذق بار بار ٹائیگر کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ
کب وہ عمران کو بے بس کرے گا۔

اچھا تو یہی حکیم حاذق صاحب ہیں جو بڑے حکیم خان کے سارے

میں یہاں آگیا۔ اس کا ملازم ٹچے تہہ خانے میں لے گیا اور میرے سر پر
عقب سے ضربات لگا کر مجھے بے ہوش کر دیا گیا۔ ہوش میں آنے کے
بعد میں نے اپنے آپ کو رسی کی مدد سے بندھا دیا پایا۔ رسیاں اس
طرح باندھی گئی تھیں کہ میں معمولی سی حرکت کرنے کے قابل بھی نہ
رہا تھا۔ اسی لمحے حاذق تہہ خانے میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک
ملازم اور ایک پہلوان بنا کوڑا بردار آدمی تھا۔ حاذق نے مجھے کہا کہ میں
نے آپ کے ساتھ مل کر عالم خان کو اغوا کیا ہے اور سردارِ ارباب کو
ہلاک کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فور سٹارز گروپ کے چار افراد اور
دو اکیڑے سین سیاہ فاموں نے پورے شہر میں عالم خان کے آدمیوں اور
دوسرے بد معاشوں کو غائب کر دیا ہے اور ایک بڑی پارٹی نے اسے
یہ کام دیا ہے کہ وہ مجھے آپ کو، ان دونوں اکیڑے سین سیاہ فاموں اور
فور سٹارز کے افراد کو زہریس کر کے ہلاک کر دے سب جانچ بچا اس کے
اس نے آپ کے فلیٹ کے گرد آدمی تعینات کر دیئے تاکہ جیسے ہی آپ
فلیٹ پر پہنچیں وہ آپ پر حملہ کر سکیں اور مجھے اس لئے باندھ رکھا ہے
کہ یہ مجھ سے ان اکیڑے سین سیاہ فاموں کے بارے میں معلومات حاصل
کرنا چاہتا تھا جو اس کی انکوآرمی کے مطابق آپ کے ساتھی بتائے گئے
ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ میں اسے فور سٹارز کے
بارے میں بھی معلومات مہیا کر دوں کیونکہ اس کے خیال کے مطابق
فور سٹارز کا تعلق بھی آپ سے تھا۔ میں اس کی باتوں سے یہ تو سمجھ گیا
تھا کہ اس کا مطلب بڑی پارٹی سے بڑا خان ہی ہو سکتا ہے۔ جس کے

کر دیا۔ وہ پہلوان ناگنا الیہ کہیں نظر نہ آیا تھا۔ اسے شاید خصوصی
طور پر بلوایا گیا تھا اور پھر واپس مجھ کو دیا گیا تھا۔ ناگنا تہہ خانے میں گیا
اس نے وہاں سے رسی اٹھائی اور اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے اس
نے ایک حصے سے ان تینوں ملازموں کو اکٹھا کر کے باندھ دیا اور اس
کا دوسرا ٹکڑا لے کر وہ واپس سنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں
عمران ایک کرسی پر اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ جب کہ حاذق ویسے ہی
فرش پر بے ہوش پڑا نظر آ رہا تھا۔ ناگنا نے حاذق کو اٹھایا اور ایک
کرسی پر بٹھا کر اسے رسی کی مدد سے اچھی طرح باندھ دیا۔

”میرا خیال ہے اب تمہیں کسی سنجہ ذرا سے کی کاسٹ میں شامل
کر دیا جائے۔“ عمران نے ناگنا سے مخاطب ہو کر کہا تو ناگنا نے
اختیار نہیں چڑا۔

”میں اسے باندھ لوں پھر تفصیل بتاتا ہوں۔“ ناگنا نے کہا
اور پھر جب اس نے حاذق کو اچھی طرح باندھ دیا تو وہ عمران کے
سلئے والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

”حاذق غیر ملکی مجرموں کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ اس لئے میں
نے اس سے خاصی دوسری پیداکر رکھی ہے۔ لیکن آج تک یہ کسی ایسے
کام میں ملوث ثابت نہیں ہو سکا تھا جس میں آپ کے لئے کوئی دلچسپی کا
سامان ہو۔ اس لئے میں بھی خاموش رہا۔ آج میں ہونٹل شیرٹن کے
منیجر کے پاس موجود تھا کہ حاذق کا فون آیا اور اس نے مجھے بلا کر ایک
کام دینے کے لئے کہا اور کہا کہ یہ کام ملکی سلامتی کے خلاف ہے سب جانچ

اس نے مجھ سے تعاون کی بات کی تھی اور میں نے اسے اس معاوضہ

بھی دے دیا تھا لیکن..... حاذق نے زونٹ بٹاتے ہوئے کہا۔

انا کے معاملات میں معاوضے کوئی حیثیت نہیں رکھتا کرتے

حاذق..... اچانک ٹائیگر نے حاذق سے مخاطب ہو کر کہا اس کے لیے

میں بھی بے پناہ سنجیدگی تھی شاید وہ عمران کی بات سے عمران کا مقصد

سمجھ گیا تھا اور عمران کی آنکھوں میں ٹائیگر کے لئے تحسین کے تاثرات

سبب اگھائی دینے لگے۔

تو پھر تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے کیوں باندھ رکھا ہے تم نے۔ حاذق

نے کچھ نہ سمجھنے والے لہجے میں کہا۔

حاذق میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو ایکڑ زمین سیاہ فاموں

اور نور، ستارہ کے بارے میں تمہیں معلومات حاصل کرنے میں مدد

دوں گا۔ وہ میں اب بھی پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن تمہیں

شاید ابھی تک یہ علم نہیں ہے کہ بڑا خان تم سے ڈیل گیم کھیل رہا ہے

اس نے تمہیں ان سب کو ٹریس کر کے ہلاک کرنے کا کام دیا ہے تو

ساتھ ہی اس نے ایک اور پارٹی سے بھی بات کر لی ہے تاکہ جب تم

اپنا کام مکمل کر لو تو وہ تمہارا خاتمہ کر دے اور میں یہی نہیں

چاہتا..... ٹائیگر نے کہا۔

نہیں بڑا خان ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ ایسے سارے کام میرے

ذریعے مکمل کرتا ہے۔ آج سے نہیں۔ طویل عرصے سے۔ میں اسے

اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ مجھے ہلاک کر ہی نہیں سکتا..... حاذق نے

چند لمحوں بعد جب حاذق کے جسم میں حرکت کے تاثرات نمودار ہونے

لگے تو وہ ہچکے بست گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد حاذق نے کراہتے ہوئے

آنکھیں کھول دیں۔ پہلے چند لمحے تو اس کی آنکھوں میں دھند چھائی رہی

لیکن پھر ان میں شعور کی جھلک ابھرائی۔

یہ۔ یہ۔ تم نے۔ کیا کیا ہے۔ میں نے تم پر اعتماد کیا تھا۔ حاذق

نے نفرت بھرے لہجے میں ٹائیگر سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کے ہونٹ

بھٹکے ہوئے تھے۔

اس لئے تو ابھی تک زندہ ہو۔ ورنہ اب تک قبر میں اتر چکے

ہوتے۔ ٹائیگر نے سرد لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

سنو حاذق ٹائیگر نے واقعی تمہارے ساتھ مہربانی کی ہے۔ ورنہ یہ

تمہیں ایسی بھیانک موت مارتا کہ جس کا تصور بھی تمہاری روح کو

صدیوں تک لرزاتا رہتا۔ تم اسے پوری طرف نہیں جانتے جب کہ میں

اسے جانتا ہوں۔ اچانک عمران نے حاذق سے مخاطب ہو کر کہا تو

ٹائیگر چونک کر عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن عمران کے چہرے پر

گہری سنجیدگی طاری تھی۔

تم نے ٹائیگر کو باندھ کر اور کسی کو زبردست کو اس کے سامنے لا

کر بھیانک غلطی کی ہے۔ یہ آدمی رسیاں تو ایک طرف زنجیروں کو بھی

خاطر میں نہیں لایا کرتا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے تمہارے ساتھ

مہربانی کی ہے..... عمران نے پہلے کی طرح انتہائی سنجیدہ لہجے میں

بات کرتے ہوئے کہا۔

حاذق کچھ کہتا۔ ٹائیگر نے ریو الور کا رنگ بدایا اور حاذق کی کھوپڑی کسی
حصوں میں تقسیم: وہ کر فرش پر بکھر گئی۔

بڑے حتیٰ لچے میں کہا۔
”تم یہ بات اس قدر حتیٰ لچے میں کیسے کہہ سکتے ہو؟“ اس بار
عمران نے کہا۔

”اس لئے کہ بڑے خان کا ساتھی میرا رگ بھائی ہے۔“ حاذق نے
جلدی سے کہا۔

”اور تو یہ بات ہے۔ لیکن وہ تمہارے بڑے بھائی کا بھی تو خاتمہ کر
سکتا ہے۔ اسے کون روکے گا؟“ عمران نے کہا۔

”وہ چاہے بھی تو ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بڑے خان کا سارا
کاروبار اس کی منہجی میں ہے پھر وہ سرکاری آدمی ہے۔ بڑے خان کا
ملازم نہیں ہے۔ اس کا حصہ دار ہے اور بڑے خان کا تو صرف نام ہے۔
اصل کام تو میرا بھائی کرتا ہے۔“ حاذق نے جوش میں اونچی آواز
میں بولتے ہوئے کہا۔

”سرکاری آدمی کیا مطلب؟“ عمران نے چونک کر پوچھا۔
”وہ وہاں کا پولیس چیف ہے۔“ حاذق نے کہا تو عمران نے بے
اختیار ایک طویل سانس لیا۔

”کیا نام ہے اس کا؟“ عمران نے پوچھا۔

”اعظم۔“ حاذق نے جواب دیا۔

”اوکے۔“ ٹائیگر اب اصل آدمی سامنے آگیا ہے۔ اس لئے اب مزید
کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں ہے۔ عمران نے کرسی سے اٹھتے
ہوئے کہا تو ٹائیگر نے جیب سے ریو الور نکال لیا اور پھر اس سے پہلے کہ

میں تھے سہاں، ہاتھی کا لونیاں بھی تھیں اور جڑی بڑی مار کیٹیں بھی۔
جہاں دنیا بھر کا سامان انتہائی سستے داموں ملا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ
پورے پاکیشیا سے لوگ یہاں خریداری کے لئے آتے جاتے رہتے تھے
یہاں ایک بڑا ایئر پورٹ بھی تھا۔ جہاں دارالحکومت سے باقاعدہ
فلائنیں آتی جاتی رہتی تھیں۔ اس وقت ایئر پورٹ پر خاصا رش نظر آ رہا
تھا کہ وہ دارالحکومت سے ایک پرواز ابھی یہاں پہنچی تھی۔ عمران اور
ٹائیگر کے ساتھ فور سٹارز بھی اس پرواز کے ذریعے ہی راکوش پہنچے تھے
ایئر پورٹ سے باہر اگر عمران ٹیکسی شینڈل کی طرف جانے کی بجائے
اس بات پر مبنی، وہی ایک مارکیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

• عمران صاحب کیا کوئی چیز خریدنی ہے؟ نعمانی نے حیران ہو کر پوچھا۔

ہاں میں نے سنا ہے کہ یہاں راکوش میں انسانیت دکانوں پر ملتی
ہے۔ سو چاہتا زیادہ نہیں تو دو چار گرام ہی خرید لوں۔ عمران نے
بڑے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا تو نعمانی سمیت سب بے اختیار ہنس
پڑے۔ مارکیٹ پہنچ کر عمران دکانوں کے سامنے بورڈ پڑھا ہوا آگے
بڑھا چلا گیا اور پھر ایک جنرل سٹور کے سامنے پہنچ کر وہ دک گیا۔ دکان
پر راکوش جنرل سٹور کا بورڈ موجود تھا۔ دکان کچھ زیادہ بڑی نہ تھی۔
کلائنر کے نیچے ایک لمبے قد اور چہرے بدن کا مقامی نوجوان بیٹھا ہوا
تھا۔ عمران اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
• جی صاحب کیا چاہتے ہیں آپ کو؟ نوجوان نے بڑے اشتیاق آمیز

راکوش ایک طویل پہاڑی سلسلے کا نام بھی تھا اور اسی نام کا ایک
شہر بھی آباد تھا۔ یہ شہر اس پہاڑی سلسلے کے آغاز میں آباد تھا اور چونکہ
اس کے بعد طویل اور دشوار گزار پہاڑی سلسلہ تھا۔ جس کی سرحدیں
پاکیشیا کے ایک ہمسایہ ملک کے پہاڑی سلسلے سے جا ملتی تھیں۔ اس
لئے ایک لحاظ سے یہ ایک بڑا سرحدی شہر بھی سمجھا جاتا تھا۔ راکوش کا
پہاڑی سلسلہ انتہائی گھنے جنگلات سے پر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں لکڑی
کا کاروبار اپنے پورے عروج پر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ راکوش کی
پہاڑیوں سے انتہائی قیمتی معدنیات بھی ملتی تھیں۔ اس لئے راکوش
شہر میں لکڑی کے کاروبار کرنے والوں کے وسیع و عریض گروہوں کے
ساتھ معدنیات کو صاف کرنے کا ایک بڑا سرکاری کارخانہ بھی موجود
تھا۔ راکوش کی آبادی عام پہاڑی شہروں کی نسبت خاصی زیادہ تھی۔
یہاں ہسپتال۔ تعلیمی ادارے اور حکومت کے دفاتر بھی خاصی تعداد

۔ بس بس بھاب میں کچھ عجیب مزید مثالیں نہ دیں۔ بہر حال ہماری دکان واقعی جنرل سنور ہے۔ لیکن جہاں جنرل نہیں مل سکتے۔ نو جوان نے ہنستے ہوئے عمران کو اور میان میں ہی ٹوکتے ہوئے کہا۔

۔ چلیے سطح ذرا کم کر لیتے ہیں۔ جنرل نہ ہی۔ کرنل جی۔ کرنل افتاب جی عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو نو جوان بے اختیار ہانک پڑا۔

۔ کرنل افتاب۔ وہ تو میرے والد کا نام ہے۔ کیا مطلب کیا اب۔ نو جوان کے ہتھ پر شاید حیرت تھی۔

۔ ماشاء اللہ کرنل افتاب کی اولاد واقعی عقل کے لحاظ سے چندے افتاب چندے ماہتاب کے ذمے میں ہی آتی ہے۔ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو نو جوان اس بات قدرے شرمندہ سے انداز میں ہنس پڑا۔

۔ وہ ابھی آ رہے ہیں۔ ذرا ایک کام سے گھبریک گئے ہیں۔ نو جوان نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ عمران کوئی مزید بات کرتا۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی دکان میں داخل ہوا۔

۔ ابو یہ صاحبان آپ سے ملنے آئے ہیں شاید۔ نو جوان نے اس ادھیڑ عمر آدمی سے مخاطب ہو کر کہا تو وہ چونک کر عمران اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

۔ مجھے ہے۔ جی فرمائیے۔ ادھیڑ عمر آدمی نے غور سے عمران کو

لہجے میں پوچھا۔

۔ دو چار جنرل دے دیجئے۔ عمران نے کہا تو نو جوان بے اختیار چونک پڑا۔

۔ جی کیا کہا آپ نے جنرل۔ کیا مطلب۔ نو جوان نے اجماع حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

۔ آپ کی دکان پر بورڈ لگا ہوا ہے۔ راکوش جنرل سنور۔ مطلب ہے جہاں جنرل سنور کر کے رکھے جاتے ہیں۔ سنور میں تو ظاہر ہے لاکھوں نہیں تو ہزاروں جنرل تو ضرور ہی ہوں گے۔ میں نے تو صرف دو چار ہی ڈیمانڈ کئے ہیں۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو نو جوان بے اختیار ہنس پڑا۔

۔ بھاب جنرل سنور کا مطلب ہے عام استعمال کی ہر چیز کا سنور۔ لیکن جنرل تو عام استعمال میں نہیں آسکتے۔ نو جوان نے ہنستے ہوئے کہا۔

۔ راکوش میں تو جنرل عام استعمال میں نہ آتے ہوں گے دارالحکومت میں تو عام استعمال میں آتے ہیں۔ ہر مٹی کوپے میں اصلاحی کیشیاں بنی ہوئی ہیں۔ ویلفیئر سوسائٹیاں قائم ہیں ان کے سیکرٹری حضرات اپنے آپ کو جنرل سیکرٹری کہلاتے ہیں۔ ابھی آپ کہہ رہے ہیں کہ جنرل عام استعمال میں نہیں آتے پھر جنرل مرچنٹ ہوتے ہیں۔ ایک جنرل ناٹج بھی ہوتا ہے اور..... عمران کی زبان رواں ہو گئی۔

دیکھتے ہوئے کہا۔

آپ کر نل آفتاب ہیں عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 جی۔ جی۔ میرا نام ہی آفتاب ہے اور میں رہناؤ ذکر نل ہوں
 مگر ادھیڑ عمر آدمی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔
 مجھے علی عمران۔ ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (اکسن) کہتے
 ہیں عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو کر نل آفتاب بے
 اختیار اچھل پڑے۔

ادھ۔ ادھ۔ ادھ۔ آپ۔ آپ۔ ہم۔ مگر میں تو سوچ رہا تھا کہ اب
 بوڑھے آدمی ہوں گے مگر آپ تو کر نل آفتاب نے اجنبی حیرت
 بھرے لہجے میں اور آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

بزرگی عقل سے ہوتی ہے۔ عمر سے نہیں ہوتی اور آپ تو ماشاء۔ ان
 عقل کے لحاظ سے بھی کر نل ہیں عمران نے جواب دیا تو کر نل
 آفتاب بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

آپ سے مل کر بے حد مسرت ہوئی ہے عمران صاحب۔ مجھے
 کر نل احمد کا تفصیلی پیغام مل چکا ہے۔ ایسے میرے ساتھ۔ کر نل
 آفتاب نے بڑے گرجو شائد انداز میں مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ
 تیزی سے دکان کے ساتھ ایک تنگ گلی میں داخل ہو گیا۔ عمران اپنے
 ساتھیوں سمیت اس کے پیچھے چل پڑا۔ گلی کے اختتام پر ایک دروازہ تھا
 جس پر باہر سے تالا لگا ہوا تھا۔ کر نل آفتاب نے جیب سے چابی نکالی
 اور تالا کھولنے کے ساتھ ہی اس نے دروازے کو دھکیل کر کھولا اور

دیا۔

اندرو داخل ہو گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک خالی بڑے کمرے میں داخل
 تھے جس کے درمیان ایک میز کے گرد سات آنکھ کرسیاں بڑی دہلی
 تھیں۔ ایک طرف سامان کی پینٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔
 یہ مکان ہم کو دھام کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ قشریف رکھیں
 میں آپ کے لئے مشروب لے کر آتا ہوں۔ کر نل آفتاب نے
 کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عمران سے کہا۔

مشروبات چھوڑیئے۔ آپ ہمارے ساتھ بیٹھیں۔ ہم نے ابھی
 بہت کام کرنا ہے۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو کر نل آفتاب
 خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

کر نل احمد نے راکوش میں ملز میکانڈر کے طور پر طویل عرصہ
 ٹھہرا رہے اور کر نل احمد کے مطابق آپ اس کے اسسٹنٹ رہے ہیں
 اور اس کے ساتھ ساتھ آپ مقامی آدمی ہیں۔ اس لئے آپ راکوش کے
 پورے پہاڑی علاقے کے ایک ایک پتے سے واقف ہیں۔ عمران
 نے کر نل آفتاب سے مخاطب ہو کر کہا۔

جی ہاں کر نل صاحب نے درست بتایا ہے۔ آپ کھل کر بتائیں
 کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ کر نل احمد میرے محسن ہیں
 اور انہوں نے جس طرح آپ کا تعارف کرایا ہے۔ اس تعارف کے بعد
 تو میں آپ کے قدموں میں اپنا خون بھی بچھاؤں کر سکتا ہوں۔ کر نل
 آفتاب نے بڑے جذباتی سے لہجے میں کہا۔ تو عمران بے اختیار مسکرا
 دیا۔

۱۰ آپ کے متعلق کرنل اتما نے بتایا ہے کہ آپ انتہائی بے کمرے اور محب الوطن آدمی ہیں۔ اس لئے میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ سردار خان جو کچھ بظاہر نظر آتا ہے درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اس نے ان جنگلات میں خفیہ فیکٹریاں بنائی ہوئی ہیں جن میں اسلحہ تیار کر کے پاکیشیا میں فروخت کرنا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دو بہت بڑا ہر وہ فراش بھی ہے۔ اس کے آدمی پورے پاکیشیا میں پھیلے ہوئے تھے جو ہمیں لو افوا کر کے جہاں بھیجواتے تھے۔ جن سے وہ اپنی فیکٹریوں میں کام لیتا ہے اور یہ پولیس چیف اعظم اور اصل اس کا بزنس منیجر ہے۔ ہم نے پاکیشیا میں اس کے تمام آدمیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ اعظم کا بھائی دارالعلوم میں اس کا انجمنٹ ہے۔ سردار خان نے اس کے ذریعے ہمیں ختم کرانے کی کوشش کی لیکن وہ خود ختم ہو گیا ہے۔ ہم جہاں اس لئے آئے ہیں کہ ان فیکٹریوں کو نہ صرف ختم کیا جاسکے بلکہ وہاں موجود ہتھیاروں کو بھی تہہ در تہہ کر دیا جاسکے۔ عمران نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا تو کرنل آفتاب کا چہرہ دیکھنے والا ہو گیا۔

۱۱ لیکن کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے آپ کے پاس؟..... کرنل آفتاب نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔
 ۱۲ ثبوت بھی مہیا کر دیا جائے گا۔ آپ فی الحال ایک کام کریں کہ کسی ایسے آدمی کی نشاندہی کریں جو اس پولیس چیف کے انتہائی قریب ہو؟..... عمران نے کہا۔
 ۱۳ انتہائی قریب ہونے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟..... کرنل

۱۴ کرنل صاحب جہاں کا ایک بڑا نام ہے۔ جسے سردار خان کہتے ہیں۔ آپ اسے جانتے ہیں عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ۱۵ جی ہاں، اکوٹش میں اسے کون نہیں جانتا۔ وہ جہاں کا بڑا سردار ہے اور انتہائی مخیر، ہمدرد اور انسان دوست آدمی ہے جہاں کا ایک ایک بچہ اس کی فیاضی اور انسان دوستی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے۔ ویسے بھی وہ ہر آدمی کے دکھ درد میں شریک رہتا ہے۔ کرنل آفتاب نے سردار خان کے قصیدے پڑھنے شروع کر دیے اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ رہنے لگی۔
 ۱۶ سردار خان نے ایک خفیہ فیکٹری دکھا رکھی ہے جس میں اسلحہ بنا رہا ہے کیا آپ کو علم ہے؟ عمران نے کہا تو کرنل آفتاب نے ہنسی اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر شدید ترین حیرت کے تاثرات آ رہے۔
 ۱۷ سردار خان نے مزادہ نہیں جتا آپ کو کسی نے سراسر غلط اطلاع دی ہے۔ ان کا تو آباد اجداد سے لکڑی کا کاروبار ہے۔ راکوٹش پہاڑی سلسلے کے بے شمار جنگلات ان کی ملکیت میں ہیں۔ کرنل آفتاب نے کہا۔

۱۸ جہاں پولیس چیف ہیں اعظم۔ کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟ عمران نے پوچھا۔

۱۹ جی ہاں۔ اعظم خان۔ وہ مقامی آدمی ہیں۔ بڑے خان کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں۔ بڑے خان کی بھتیجی ان کی بیگم ہیں۔..... کرنل آفتاب نے جواب دیا۔

نہیں عمران صاحب۔ ایسے نہیں۔ اگر آپ کی بات درست ہے تو پھر میرا بھی فرض بننا ہے کہ میں آپ کی بوجھ بردہ دوں۔ ایسے بھی آپ پہاڑی علاقوں سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے میرے آپ کے ساتھ دونا بے حد ضروری ہے۔ کرنل آفتاب نے کہا۔

لیکن آپ جہاں کے مقامی آدمی ہیں۔ ہم تو آپریشن مکمل کر کے واپس دارالعلوم مت چلے جائیں گے تب کہ آپ نے اور آپ کے بچوں نے ہمیں رہنما ہے اور یہاں قبائلی سسٹم بے حد سخت ہے۔ اس لئے ہم آپ کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں عمران صاحب میرا بھی جہاں وسیع اور طاقتور قبیلہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ کرنل آفتاب ہر برائی کے خلاف ہمیشہ ڈٹ جایا کرتا ہے۔ کسی میں یہ جرات نہیں ہے کہ وہ کرنل آفتاب یا اس کی اولاد کو نیزہ کی آنکھ سے بھی دیکھ سکے۔ آپ بے فکر رہیں۔ کرنل آفتاب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

نہمیک ہے۔ آپ کی ضرورت تو بہر حال ہے۔ اگر آپ ہمت کر سکتے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہے لیجئے۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عمران صاحب اس آدم خان سے تفصیلی پوچھ گچھ کرنی پڑے گی۔ کیا یہ کام اس کے دفتر میں ہو سکے گا۔۔۔۔۔ نعمانی نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

آفتاب نے پوچھا۔

اعظم خان پولیس چیف ہے۔ اس لئے ظاہر ہے وہ خود تو ان فیکٹریوں کے معاملات کو براہ راست تو نہ چلاتا ہوگا۔ اس نے لامحالہ ایسے آدمی رکھے ہوں گے جو ان فیکٹریوں کو چلاتے ہوں گے۔ ہمیں ایسے ہی کسی آدمی کی تلاش ہے تاکہ اس سے ہم ان فیکٹریوں کے بارے میں تفصیلات معلوم کر سکیں ورنہ تو اس پہاڑی سلسلے میں پھیلے ہوئے استانی گھنے جنگلات میں ان فیکٹریوں کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔ عمران نے کہا۔

ہاں ایک ایسے آدمی کو میں جانتا ہوں۔ اس کا نام آدم خان ہے۔ اعظم خان بھی لکڑی کا کاروبار کرتا ہے اور آدم خان اس کا شیجر ہے۔ اور خان خاصا جھگڑالو اور بد معاش قسم کا آدمی ہے۔ اس کی شہرت بھی اچھی نہیں ہے۔ اگر جو کچھ آپ نے بتایا ہے ویسا ہی ہے تو پھر آدم خان اس بارے میں پوری تفصیل سے واقف ہوگا۔ کرنل آفتاب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

یہ آدم خان کہاں مل سکتا ہے۔ عمران نے پوچھا۔

اس وقت وہ اپنے دفتر میں ہی ہوگا۔ اس کا دفتر جابر خان روڈ پر ہے نیشنل شہر کارپوریشن کے نام سے ہے۔ کرنل آفتاب نے جواب دیا تو عمران اٹھ کھڑا ہوا۔

نہمیک ہے۔ ہمارے لئے استانی کافی ہے۔ اب ہم اس معاملے سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ عمران نے کہا۔

آفتاب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ اب وہ ایک بڑے لمبے میں فٹنگ
چلے گئے جہاں فون موجود تھا۔

اس کا فون نمبر کیا ہے۔ عمران نے رسیور کی طرف ہاتھ
دراہتے ہوئے پوچھا۔

کیا آپ اسے براہ راست فون کریں گے۔ کیا آپ اس سے واقف
ہیں۔ کرنل آفتاب نے فون نمبر بتاتے ہوئے حیرت مبرے لیے
میں کہا۔

واقف ہوتے تو ہمیں آپ کو تھکاف دینے کی کیا ضرورت
تھی۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس
نے رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔
نیشنل نمبر کارپوریشن۔ رابطہ قائم ہوتے ہی ایک کمرخت
سی مروان آواز سنائی دی۔

شیخ آدم خان سے بات کرانیں۔ میرا نام علی عمران ہے اور میں
دارالعلوم سے آیا ہوں۔ ان سے لکڑی کے بارے میں ایک بڑے
سودے کی بات کرنی ہے۔ عمران نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔
جی اچھا۔ دوسری طرف سے اس بار قدرے نرم لہجے میں کہا
گیا۔

اصلی آدم خان بول رہا ہوں۔ چند لمحوں بعد ایک بھاری اور
انتہائی کمرخت سی آواز سنائی دی۔
علی عمران بول رہا ہوں۔ میرا تعلق لکڑی کے کاروبار سے ہے۔

نہیں ہم پہلے کسی پراپرٹی ڈیلر کے ذریعے جہاں کوئی کمرخی
کرائے پر لیں گے اس کے ساتھ ہی دو کاریں پھر کام کو آگے بڑھایا جا
سکے گا۔ عمران نے کہا۔

یہ کام میں آسانی سے کر سکتا ہوں آپسے میرے ساتھ۔ کرنل
آفتاب نے کہا اور پھر وہ ان سب کو ساتھ لے کر واپس دکان پر آیا۔ اس
نے دکان پر موجود فون کارسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کر کے کسی سے
بات کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے دو تین بار فون کال کیں اور
پھر رسیور رکھ کر وہ لپٹے بیٹے کو کچھ کہہ کر دکان سے نیچے اتر آیا۔

ساران کالونی میں ایک کو بھی مل گئی ہے۔ اس میں دو کاریں
بھی ہیں۔ کرنل آفتاب نے کہا اور پھر دو ٹیکسیوں میں بیٹھ کر وہ
اس رہائشی کالونی میں پہنچ گئے۔ پراپرٹی ڈیلر ز کا آدمی جیلے سے ہی وہاں
پہنچ چکا تھا۔ عمران نے اسے ایک ماہ کے کرایے کی ادائیگی کی اور اسے
واپس بھیج دیا۔

میں نے فون کر کے معلوم کر لیا ہے۔ آدم خان اپنے دفتر میں ہی
موجود ہے۔ کرنل آفتاب نے کوئی میں داخل ہوتے ہی عمران
سے مخاطب ہو کر کہا۔

اس کا فون نمبر آپ کو معلوم ہے۔ عمران نے چونک کر
پوچھا۔

ہاں میرا بھی لکڑی کا کاروبار ہے۔ گویہ کافی چھوٹا سا بزنس ہے۔
لیکن بہر حال میرا واسطہ آدم خان سے اکثر پڑتا رہتا ہے۔ کرنل

ہو شیار چالاک لیکن اس کے ساتھ ساتھ سفاک اور بے رحم آدمی نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موجود گہری سرخی بتا رہی تھی کہ وہ شراب پینے کا بھی عادی ہے۔

کر نل آفتاب صاحب۔ آپ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ آدم خان نے کر نل آفتاب کو دیکھتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ انہوں نے تو آپ کا ریفرنس دیا ہے۔ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو آدم خان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تم فکر نہ کرو میں کوئی کمیشن نہیں اؤں گا۔ یہ میرے عزیز ہیں کر نل آفتاب نے مسکراتے ہوئے کہا تو آدم خان نے بے اختیار دانت نکال دیئے۔ چند لمحوں بعد مشروبات ان کے سامنے رکھ دیئے گئے۔

آپ سپلائی کب دے سکتے ہیں۔ عمران نے مشروب کی بوتل سپ کرتے ہوئے پوچھا۔

صرف ایک ہفتے کے اندر اندر..... آدم خان نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا۔

کیا آپ لکڑی کی کوالٹی کی طرف سے ہمیں مطمئن کر سکتے ہیں..... عمران نے کہا۔

قاہر ہے۔ اس کے بغیر سودا کیسے ہو سکتا ہے..... آدم خان نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے میز پر رکھے ہوئے انٹرکام کار سیور اٹھایا اور مقامی زبان میں کسی سے بات کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک

ہمیں ساگو ان کی ایکریما برآمد کرنی ہے۔ ابتدائی کھیپ تقریباً پچاس لاکھ مکر فٹ چاہئے بعد میں ایسی اور بہت سی کھیپیں چاہیں۔ کیا آپ اس سلسلے میں دلچسپی لیں گے یا کسی اور سے بات کی جائے۔ عمران نے اہتائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

پچاس لاکھ مکر فٹ ساگو ان کی لکڑی اور وہ بھی ابتدائی لاث۔ تو بہت بڑا سودا ہو گا۔ جناب۔ آدم خان کے لہجے میں حیرت تھی۔ ہم ایسے ہی کاروبار کرتے ہیں۔ کیش ادائیگی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمیں مال اچھا اور فوری چاہئے۔ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ادہ۔ ادہ۔ کیش ادائیگی۔ ضرور جناب۔ ویسے جہاں صرف ہم ہی اتنی بھاری کیپ مہیا کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ وہ تشریف لے آئیں۔ پھر تفصیل سے بات ہو جائے گی۔ دوسری طرف سے آدم خان نے اس بار بڑے نرم لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے ہم آ رہے ہیں..... عمران نے کہا اور سیور رکھ دیا۔

آداب وہ فوراً ملنے پر تیار ہو جائے گا..... عمران نے کہا اور چند لمحوں بعد کوٹھی میں موجود دونوں کارڈوں پر سوار وہ آدم خان کے دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دفتر میں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور چند لمحوں بعد ہی وہ آدم خان کے پاس موجود تھے۔ آدم خان دبلا پتلا لیکن مضبوط ہڈیوں کا مالک آدمی تھا۔ جس کی بڑی بڑی مونچھیں گہری کی دموں کی طرح ہونٹوں سے نیچے لٹک رہی تھیں۔ سبہرے سبہرے سے وہ خاصا

یہاں راکوش میں آدم خان کا نام ہی دہشت کا نشان ہے۔ عمران کی توقع کے عین مطابق آدم خان نے ہٹ فخریہ لٹے میں کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد آدم خان اپنی کار میں اکیلا ان کے ساتھ اس کوٹھی میں پہنچ گیا۔

”اب کی ملکیت ہے۔“ آدم خان نے حیرت سے کوٹھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں ماضی طور پر لی ہے۔ کیونکہ مجھے ہوللوں سے الگ ہے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو آدم خان نے ملہات میں۔ ہلا دیا۔ لیکن دوسرے لٹے عمران کا بازو بھلی کی سی تیزی سے گھوما اور آدم خان جھٹکا ہوا اچھل کر نیچے فرش پر جا گرا۔ اسی لٹے عمران کی لات مشین کی سی تیزی سے حرکت میں آئی اور نیچے گر کر تپ کر اٹھتا۔ آدم خان ایک بار پھر پنج مار کر گر تو اس کے جسم نے ایک جھٹکا کیا اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔

اب آپ کی حقیقی مشکلات کا دور شروع ہو گیا ہے۔ ایک طرف کمرے کرئل آفتاب نے ہونٹ ہجارتے ہوئے کہا۔

”ہمارے لئے مشکلات کا لفظ بے معنی ہو چکا ہے کرئل صاحب۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نعمانی کو اشارہ کیا اور نعمانی نے جھک کر فرش پر بے ہوش پڑے آدم خان کو بازو سے پکڑا اور ایک جھٹکے سے اٹھا کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

”میں دسی لے آتا ہوں۔“ مانگیر نے کہا اور تیزی سے کمرے سے

نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں لکڑی کے دو ٹھنوس ٹونے تھے۔ جو اس نے آدم خان کے سامنے رکھ دیئے۔

”یہ اے کلاس ہے۔ یہ بی کلاس ہے۔“ آدم خان نے ان ٹونوں کے متعلق بتایا اور ساتھ ہی ریش بھی بتا دیئے۔

”ہمیں اے کلاس لکڑی چاہئے لیکن جب ہم گیش اوانیگی کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے ساتھ خصوصی رعایت ہونی چاہئے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر تھوڑی سی رد و کد کے بعد سوداے پاگل

تو آدم خان کے حجرے پر استانی مسرت کے تاثرات ابھرائے۔

”کیا اتنی بڑی رقم آپ گیش کی صورت میں ساتھ رکھتے ہیں۔“ آدم خان نے استانی حیرت بھرے لٹے میں کہا۔

”یہ ہمارے لئے معمولی رقم ہے۔ لیکن بہر حال وقت میں تو ساتھ نہیں لائی جاسکتی۔ ہماری رہائش گاہ پر موجود ہے۔ آپ رسید بک لے

کر ہمارے ساتھ چلیں۔ رقم گن کر آپ کے حوالے ابھی کر دی جائے گی۔ مال آپ ہفتے بعد سہائی کر دیں۔“ عمران نے بڑے لا پرواہ سے لٹے میں کہا۔

”فٹیک ہے میں آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔“ آدم خان نے فوراً ہی رفا مند ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ چاہیں تو اپنے ساتھ چند محافظ لے لیں۔“ عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اے نہیں جناب آدم خان کو کسی محافظ کی ضرورت نہیں ہے۔“

اگر تم اندھیری قبر میں نہیں اترنا چاہتے آدم خان تو پھر جہارے
جن میں یہی بہتر ہے کہ تم ہمیں تفصیل سے ان فیکٹریوں کا عمل و توجہ
بتا دو۔ عمران کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ میں کسی فیکٹری کے بارے میں کچھ
نہیں جانتا اور سنو اب بھی دقت ہے کہ تم مجھے جھوڑا دورہ جہاری
لاؤں کو کہتے بھی کھانے سے انکار کر دیں گے۔ آدم خان نے چہچتے
دئے کیا۔

ٹائیگر خنجر زناؤ اور اس کی یہ بڑی بڑی مونٹھیں صاف کر دو۔ بڑی
مونٹھیں نہایت کی نشانی ہوتی ہیں اور نہایت نام کی کوئی چیز جھوٹے
ادبی کے پاس نہیں ہوا کرتی۔ عمران نے ٹائیگر سے مخاطب ہو کر
کہا۔

میں ہاں۔ ٹائیگر نے جواب دیا اور کوٹ کی اندرونی جیب
سے اس نے تیز و حار خنجر نکال لیا۔

رک جاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں جہارے نکلے اڑا دوں گا
رک جاؤ۔ آدم خان نے نکتہ چیتے ہوئے کہا۔

سنو آدم خان اگر تم نہیں چاہتے کہ لوگ تمہیں مونٹھوں کے بغیر
دیکھیں تو جو میں پوچھ رہا ہوں وہ جاکج بتا دو۔ عمران کا لہجہ اسی
طرح سرد تھا۔

جب میں کچھ جانتا ہی نہیں تو بتاؤں کیا۔ آدم خان نے
ہوسٹ چہچاتے ہوئے کہا۔

باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد آدم خان ایک کرسی پر رسی سے جکڑا بیٹھا
ہوا تھا۔

اب اسے ہوش میں لے آؤ۔ عمران نے نعمانی سے مخاطب
ہو کر کہا اور نعمانی نے آگے بڑھ کر آدم خان کا نام اور منہ دونوں
ہاتھوں سے بند کر دیا۔ چند لمحوں بعد جب آدم خان کے جسم میں حرکت
کے تاثرات نمودار ہونے لگا تو وہ چیخے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آدم خان
نے کر پڑے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ عمران اس کے سانسے کرسی پر
بیٹھا ہوا تھا۔ آدم خان نے پوری طرح ہوش میں آتے ہی بے اختیار
اٹھنے کی کوشش کی لیکن بندہ جا ہونے کی وجہ وہ ظاہر ہے سرف کھسا
کر ہی رہ گیا۔

یہ۔۔۔ تم نے کیا کیا ہے کون ہو تم۔ آدم خان نے اجمالی
غصیلے لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے کے اعضا غصے کی شدت سے چومکے
لگے تھے۔

جہار امام آدم خان ہے اور تم پولیس چیف اعظم کے بزنس منیجر
ہو اور اعظم سردار خان کی خفیہ فیکٹریوں کا انچارج ہے۔ عمران
نے اجمالی سنجیدہ لہجے میں کہا تو آدم خان اس طرح حیرت بھری نظروں
سے عمران کو دیکھنے لگا جیسے وہ عمران کو پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

تم کون ہو۔ میں پوچھ رہا ہوں تم کون ہو۔۔۔۔۔ آدم خان نے
چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کڑکھار لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے سے
خسوس ہو رہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر اب پوری طرح سنبھل چکا ہے۔

ہے بھی نہ چپک سکیں گی۔ عمران نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔
 - سو مجھے اپنے مرشد کی قسم ہے۔ میں بچا بول رہا ہوں۔ مجھے اس کی
 صرف ایک فیکٹری کے بارے میں علم ہے۔ یہ فیکٹری اسلام آباد ہے۔
 اس کے علاوہ مجھے اور کسی فیکٹری کا علم نہیں ہے۔ آدم خان نے
 جواب دیا۔

چلو تم اسی کے متعلق بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔ یکن تم نے جھجکا
 بتاتا ہے۔ عمران نے کہا۔

- یہ فیکٹری راکول پہاڑی علاقے کے سرگاش درے میں واقع
 ہے۔ آدم خان نے جواب دیا تو عمران نے کرنل آفتاب کی طرف
 دیکھا جس کے چہرے پر اس وقت انتہائی شدید حریت نمایاں تھی۔

اس درے میں یہ فیکٹری کیسے ہو سکتی ہے۔ اس درے سے تو
 بڑی سڑک گزرتی ہے۔ کرنل آفتاب نے ہونٹ چبائے ہوئے کہا۔
 سڑک جہاں جا کر گھومتی ہے۔ وہاں سے ایک خفیہ سڑک ہے
 جو نسیم پہاڑی کی دوسری طرف جا کر نکلتی ہے۔ نسیم پہاڑی کی دوسری
 طرف ایک بڑی وادی ہے اور اس وادی میں یہ فیکٹری قائم کی گئی ہے
 اس کے چاروں طرف اونچی پہاڑیاں ہیں۔ جن پر حفاظتی مورچے ہیں
 اور وادی میں چونکہ گھنٹا جنگل ہے اس لئے یہ فیکٹری اوپر سے کسی
 صورت بھی نظر نہیں آتی۔ آدم خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کتنی بڑی فیکٹری ہے۔ عمران نے پوچھا۔

”کافی بڑی ہے۔ جدید قسم کی گئیں اور ان کی گولیاں بنانے کی دس

ہائیڈرولک مشینیں ہوں گی۔ عمران نے ناٹیکر سے مخاطب ہو کر کہا۔
 نظر نہیں آتا چلتے۔

میں باس۔ ناٹیکر نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے
 ایک ہاتھ آدم خان کے سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا تیز دھار خنجر
 اس نے جیسے ہی آدم خان کی موٹخوں کی طرف بڑھایا۔

رک جاؤ میں بتاتا ہوں۔ مجھے مت مارو۔ میری جان لے لو۔ لیکن
 میری موٹخیں مت کاٹو۔ رک جاؤ۔ آدم خان نے ہڈیاں انداز میں
 چٹختے ہوئے کہا۔

- ٹھیک ہے۔ ایک موقع اور دے دو اسے عمران نے کہا تو

ناٹیکر ایک طرف ہٹ گیا لیکن وہ اس کے قریب ہی کھڑا رہا۔

تم۔ تم کیسے آدمی ہو۔ تم مجھے مار ڈالو میرے نگوے اڑا دو۔ لیکن

میری موٹخیں مت کاٹو۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے۔ آدم

خان کی حالت دیکھنے والی ہو گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے

تھے کہ اسے موت تو واقعی قبول ہو سکتی ہے لیکن موٹخوں کا ایک بال

کٹنا بھی اس سے واقعی برداشت نہیں ہو پارہا۔

اپنی موٹخیں بچانا چاہتے ہو تو مجھے سردار خان کی فیکٹریوں کے

بارے میں تفصیلات بتا دو۔ ورنہ تم راکوش میں کسی کو مٹ دیکھانے

کے قابل بھی نہ رہو گے۔ موٹخوں کے بغیر تمہیں دیکھ کر بچے بھی

تمہارا مذاق اڑائیں گے اور یہ بھی سن لو کہ یہ تمہارے پاس آخری

موقع ہے۔ ایک بار موٹخیں کٹ گئیں تو پھر تم جانتے ہو کہ یہ گوند

ہیں۔ اوپر لکڑی رکھی جاتی ہے نیچے خوراک یہ سپلائی میرے ذریعے ہوتی ہے۔ ... آدم خان نے جواب دیا۔

”یہ ٹرک یقیناً محفوظ رہے، میں نے پوچھا۔
 ”ہاں جان محمد اور رزاق خان دو ڈرائیور ہیں ان کے ٹرکوں کے ذریعے خوراک سپلائی کی جاتی ہے۔ یہ دونوں بڑے خان کے خاص آدمی ہیں۔“ آدم خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اب یہ سپلائی کب جانی ہے۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”کل سپلائی گئی ہے۔ اس لئے اب اگلے ہفتے جانے گی۔“ آدم خان نے جواب دیا۔

”اگر اس سے پہلے ٹرک وہاں چلے جائیں تو محافظ کیا کریں گے۔“ عمران نے پوچھا۔

”جہاں نہیں سکتے کیونکہ سرنگ کا دہانہ اگلے ہفتے کھلے گا۔“ آدم خان نے جواب دیا۔

”اگر وہاں فوج حملہ کر دے تو پھر۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”وہاں جدید ترین اسلحہ نصب ہے۔ وہاں پوری فوج کو ڈھیر کیا جاسکتا ہے۔“ آدم خان نے جواب دیا۔

”کب سے یہ فیکٹری کام کر رہی ہے۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”آٹھ سال ہو گئے ہیں۔“ آدم خان نے جواب دیا۔

”سرنگ کا دہانہ کھلوانے کا کیا طریقہ ہے۔“ عمران نے جلد لے خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

جدید مشینیں نصب ہیں۔ زیادہ تر کام ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ ... آدم خان نے کہا۔

”کیسے آدمی کام کرتے ہیں اس فیکٹری میں۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”صحیح تعداد کو تو علم نہیں۔ اڑھائی تین سو تو بہر حال کام کرتے ہی ہیں۔ جن میں زیادہ تعداد لڑکوں کی ہے۔ ہاتھ کا سارا کام وہی کرتے ہیں۔“ آدم خان نے جواب دیا۔

”یہ افراد کیا راکوش سے جاتے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”نہیں اس فیکٹری میں کام کرنے والوں کو بڑے خان کے آدمی ملک کے مختلف حصوں سے اغوا کر کے لے آتے ہیں۔ جو ایک بار وہاں چلا جاتا ہے پھر وہ زندہ واپس نہیں آسکتا۔“ آدم خان نے جواب دیا۔

”انجینئیر وغیرہ بھی تو ہوتے ہوں گے وہ تو آتے جاتے رہتے ہوں گے۔“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں انجینئروں کو بھی وہاں اغوا کر کے لے جایا جاتا ہے۔ پھر ان سے کام لیا جاتا ہے۔ جو کام نہ کرے اسے گولی مار دی جاتی ہے۔ وہاں سے صرف محافظوں کے اور کوئی باہر نہیں آسکتا۔“ آدم خان نے کہا۔

”لستے افراد کی خوراک کا بندوبست کیسے ہوتا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”ہر ہفتے دو ٹرک خوراک کے سامان سے بھرے وہاں بھیجے جاتے

کھل ہی نہیں سکتا۔ صرف سہلائی کے وقت کھلتا ہے اور پھر بند کر دیا جاتا ہے اور نہ کوئی کو اندر کے آدمی لے جاتے ہیں۔ ذرا نیہ روں کو باہر ردک دیا جاتا ہے۔ آدم خان نے جواب دیا۔
آخر بڑے خان یا اعظم خان تو وہاں جاتے ہی ہوں گے۔ عمران نے ہنس جاتے ہوئے کہا۔

جب سے ٹیکڑی کا کام شروع ہوا ہے وہ دو بار گئے ہیں اور ظاہر ہے انہیں خاص انتظامات کے تحت لے جایا گیا تھا۔ آدم خان نے جواب دیا۔

کنرل صاحب آپ آدم خان سے سوالات کر کے اس سے عمل وقوع کے بارے میں پوری تفصیلات معلوم کریں۔ اس کے بعد ہم سوچیں گے کہ اس سلسلے میں مزید کیا اقدام کیا جاسکتا ہے۔ میں اس دوران ساتھ والے کمرے سے ایک فون کر لوں۔ عمران نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کنرل آفتاب سے مخاطب ہو کر کہا اور پھر دو تیز قدم اٹھاتا کمرے کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی کے تاثرات نمایاں تھے۔

میلی فون کی گھنٹی بجتے ہی میرے بچے ادنیٰ پشت کی ریو اورنگ کرسی پر بیٹھے ہوئے سردار خان نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔
ہیں۔ سردار خان نے رسیور اٹھا کر کشت لہجے میں کہا۔
اعظم خان بول رہا ہوں۔ دوسری طرف سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔
اعظم خان تم خیریت کیسے فون کیا ہے۔ سردار خان نے چونک کر پوچھا۔

آپ کو دارالحکومت میں ہونے والے واقعات کے بارے میں کوئی رپورٹ ملی تھی؟..... اعظم خان نے کہا۔

ہاں ملی تھی۔ وہاں کوئی گروپ ہمارے آدمیوں کے خلاف کام کر رہا تھا۔ میں نے حاذق کو حکم دے دیا تھا کہ اس گروپ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس نے اب تک حکم کی تعمیل کر بھی دی ہوگی۔ کیوں؟

سردار خان نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”حاذق کی لاش ملی ہے۔ اسے کرسی پر باندھ کر اس پر تشدد کیا گیا اور اسے مار دیا گیا ہے۔“ اعظم خان نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

”کیا۔ کیا کہہ رہے ہو۔ حاذق کو مار دیا گیا ہے۔ اور یہ تو بہت برا ہوا۔ دیری سیز۔ یہ تو میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔“ سردار خان نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

”ایسا ہو چکا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ حاذق میرا اکھوتا بھوٹا بھائی تھا۔ مجھے جب اس کی موت کی خبر ملی تو میں بے حد پریشان ہوا۔ میں نے اس کے خبر نو سے بات کی ہے تو اس نے بتایا ہے کہ آپ نے حاذق کے ذمے کوئی کام لگایا تھا اور حاذق نے اس سلسلے میں وہاں کے ایک مقامی بد معاش ناننگر سے رابطہ قائم کیا اور اسے اپنے خاص اڈے پر بلوایا تھا پھر اس اڈے سے اس کی لاش ملی جب کہ وہ بد معاش جس کا نام ناننگر بتایا جاتا ہے وہ بھی دارالحکومت سے غائب تھا۔ اس پر میں نے جانو سے بات کی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ جانو نے ہی آپ کو کوئی ایسی رپورٹ دی ہوگی جس کے لئے آپ نے حاذق کو کام بتایا ہوگا۔ جانو نے مجھے بتایا ہے کہ دارالحکومت میں آپ کے آدمیوں کے خلاف ایک آدمی علی عمران جو اس ناننگر کا ساتھی ہے۔ دو اکیڑہ تین سیاہ فام اور ایک گروپ جسے فور سٹارز کہا جاتا ہے کام کرتا رہا ہے اور اس نے آپ کے سارے آدمیوں کو غائب کر دیا ہے اور اس نے آپ کو رپورٹ دی تھی۔ اس پر میں سمجھ گیا کہ حاذق سے حماقت ہوئی ہے

کہ اس نے اس گروپ کے خلاف کام کرنے کے لئے اس ناننگر سے ہی بات کر لی۔ جس کے خلاف کرنا تھا۔ اس لئے وہ مارا گیا چونکہ میرا بھائی ہلاک ہوا تھا اور میں نے قاتلوں سے انتقام لینا تھا۔ اس لئے میں نے دارالحکومت میں اپنے خاص آدمیوں سے تفصیلی بات کی تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ ناننگر کا دوست ایک آدمی علی عمران ہے جو کہ منزل اتیلی جس کے ڈائریکٹر جنرل سر عبدالرحمن کا اکھوتا لڑکا ہے۔ لیکن وہ علیحدہ فلیٹ پر رہتا ہے اور وہ سیکرٹ سروس کے لئے بھی کام کرتا ہے اور اجنبی فطرتاں اکٹبت سمجھا جاتا ہے اور ایک اور حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ ناننگر اور اس عمران کو راکوش آنے والی پرواز پر بھی دیکھا گیا ہے۔ چنانچہ میں نے ان کے طے معلوم کئے اور یہاں کے لوگوں کو اثر کر دیا۔ تمھوڑی دیر پہلے مجھے جو رپورٹ ملی ہے۔ اس نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ناننگر اور عمران کے ساتھ پانچ دوسرے افراد جن میں ایک مقامی ریٹائرڈ کرنل آفتاب بھی شامل تھا۔ لکڑی کے بیوپاری بن کر میرے دفتر جا کر آدم خان سے ملے اور پھر آدم خان ان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلا گیا اور اب تک آدم خان کی واپسی نہیں ہوئی۔ میں نے اسے تلاش کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی امید افزا رپورٹ نہیں ملی۔..... اعظم خان نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”لیکن وہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں اور آدم خان سے ان کو کیا کام ہو سکتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔..... سردار خان نے

کے تاثرات موجود تھے۔ ابھی اس نے سیدور کما ہی تھا کہ پاس بڑے ہوئے انز کام کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سیدور اٹھایا۔

”کیا ہے۔“ سردار خان کا لہجہ استہائی تھت تھا۔

”رحمت بول رہا ہوں جناب۔ دارالحکومت سے دو آدمی آپ سے ملنے آئے ہیں۔ ان کا تعلق فوج سے ہے۔“ دوسری طرف سے استہائی مودبان لہجے میں کہا گیا۔

”فوج سے کون ہیں وہ۔“ سردار خان نے بری طرح چومئے ہوئے کہا۔

”ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل ہیں جناب میں نے ان کے خصوصی کارڈ چیک کر لئے ہیں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”اوہ اچھا انہیں بڑے کمرے میں پہنچاؤ میں آ رہا ہوں۔“ سردار خان نے کہا اور سیدور رکھ دیا۔

”ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل اس کا مطلب ہے کہ اعظم خان کا شک درست تھا۔ بہر حال میں انہیں سنبھال لوں گا۔“ سردار خان نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

استہائی شانہ ار انداز میں بچے ہوئے کمرے میں عمران اور چوہان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے جسموں پر تعمیری پیمیں سوٹ تھے۔ دونوں نے میک اپ کر رکھا تھا۔

”اس بڑے خان کے اس فیکٹری میں ملوث ہونے کا کوئی ثبوت مل سکے گا عمران صاحب۔“ چوہان نے کہا۔

”جب چوہان بڑا خان بن جائے گا تو ثبوت خود بخود سامنے آجائیں گے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو چوہان بے اختیار چونک پڑا۔ اس کے ہنرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

”اوہ تو آپ نے یہ پلاننگ کی ہے۔“ چوہان نے کہا۔

”ہاں آدم خان سے اس اسٹو فیکٹری کے بارے میں جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔ ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اگر ہم نے اپنے طور پر ریڈ کیا بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ ہم فیکٹری کو تباہ کر

بھی ہوئی ہے کہ ملٹری انٹیلی جنس کے کڑاؤں کا ہم سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ سردار خان نے ان کے سامنے سوئے پر بیٹھتے ہوئے بڑے دہنگ سے لہجے میں کہا۔ اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی بہت بڑا آدمی اپنے کسی انتہائی چھوٹے ملازموں سے بات کر رہا ہو۔ اس کے دونوں ہاڈی گارڈ اس کے عقب میں بڑے چوکنا انداز میں کھڑے تھے۔

ہم ایک انتہائی خفیہ معاملے پر بات کرنے حکومت کی طرف سے آئے ہیں۔ اس نے بہتہ دیا کہ آپ اپنے ان دونوں ہاڈی گارڈوں کو کمرے سے باہر بھجوا دیں۔ عمران کا لہجہ لکھت انتہائی خشک ہو گیا تھا۔

نہیں یہ ہاڈی گارڈز باہر نہیں جاسکتے۔ یہ ہماری توہین ہے۔ تم نے جو کچھ کہنا ہے۔ جلدی سے کہہ ڈالو۔ کیونکہ ہمارے پاس حکومتی فصول باتیں سننے کا وقت بے حد کم ہوتا ہے۔ بڑے خان نے پہلے سے بھی زیادہ اکڑے ہوئے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

نہیک ہے۔ حکومت کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کی سرپرستی میں راکوش کی پہاڑیوں میں ایک خفیہ اسلحہ فیکٹری کام کر رہی ہے اور وہاں دارالحکومت سے لوگوں کو اغوا کر کے رکھا گیا ہے اور ان سے بیگاری جاری ہے۔ عمران نے بھی خشک لہجے میں کہا۔

یہ غلط ہے۔ سراسر الزام ہے۔ ہم صدر مملکت سے اس بات پر احتجاج کریں گے اور سنا اپنے افسروں کو بتا دو کہ اگر انہوں نے آئندہ

کے وہاں موجود افراد کو رہائی دلا سکیں گے۔ لیکن ہم ساری عمر تو یہاں نہیں رہ سکتے۔ فیکٹری دوبارہ بھی تو بنائی جاسکتی ہے اور اگر فوج کو استعمال کیا گیا تو یہ ایسا علاقہ ہے جہاں بڑا سردار ہی سب سے بڑی قوت ہوتا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر یہاں فوجی آپریشن بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس نے میں نے فون کر کے دارالحکومت سے ملٹری انٹیلی جنس کے دو خصوصی کارڈز منگوائے تھے۔ کرنل آفتاب سے اس بڑے خان کا جو حلیہ معلوم ہوا ہے۔ اس کے مطابق تم بھی بڑے خان بن سکتے ہو۔ اس نے میں تمہیں یہاں ساتھ لے آیا ہوں لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہمیں فوری طور پر یہ قدم اٹھانا پڑے۔ لیکن بہر حال ایسا ہو سکتا ہے۔ عمران نے جواب دیا تو چوہان نے اشارت میں سر ہلایا دیا۔ ابھی وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک بڑی بڑی موٹھیوں سے چوڑے چہرے اور مضبوط جسم کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے دو مشین گنوں سے مسلح آدمی بطور ہاڈی گارڈ تھے۔ عمران اور چوہان دونوں اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ یہی راکوش کا بڑا خان ہے۔ عمران اٹھ کھڑا ہوا۔ چوہان نے بھی اس کی پیروی کی۔

کرنل احمد جان اور کرنل یوسف ہمارا تعلق ملٹری انٹیلی جنس سے ہے۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں اپنا اور چوہان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

تشریف رکھیں۔ ہمیں آپ کی آمد پر خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت

لگاوی اور پلک جھپکنے میں اس نے اتنا کمر فرس پر دے مارا۔ کرہ
بڑے خان کے حلق سے نکلنے والی چیخ نے گونج اٹھا۔ اس لمحے ایک بار
پھر ٹھٹھک کی آوازیں سنائی دیں اور فرس پر پڑے تھپتھپے ہوئے
دونوں باڈی گارڈ دوسری بار گولیاں کھاکر ساکت ہو گئے۔

۱۰۔ بے ہوش کر دو میں باہر دیکھتا ہوں۔ عمران نے تیز بچے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک باڑی گاڑ کے ہاتھ سے نکل کر دروازے کے قریب گرنے والی مشین گن تھپنی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ بان نے نیچے گر کر انٹھنی کی کوشش کرتے ہوئے سردار خان کی کتھنی پر لات جڑوی اور بڑا خان ایک اور چیخ مار کر ایک تھپکے سے ساکت ہو گیا۔ باہر سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بان نے بڑے خان کے بے ہوش ہوتے ہی جھپٹ کر دوسرے باڑی گاڑ کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف گری ہوئی مشین گن اٹھائی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا لیکن ابھی وہ برآمدے میں پہنچا ہی تھا کہ دوسری طرف سے عمران واپس آتا دکھائی دیا۔

”اے امٹھاؤ اور میرے پیچھے آ جاؤ.....“ عمران نے چوہان سے

اس قسم کا جھوٹا الزام ہم پر لگایا تو پھر راکوش میں پاکیشیا کے الزام کا داخلہ بند بھی کرایا جاسکتا ہے کچھے جاؤ۔ اب چلے جاؤ۔ دفعہ ۱۰ جاؤ۔۔۔ بڑے خان نے یکھت غصے سے چہچہتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی دو ایک جھٹکنے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دونوں بازو گارڈوں نے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی مشین گنیں عمران اور جوہان کی طرف سیدھی کر لیں۔

آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں، جناب ہم تو اس سلسلے میں آپ کا موقف معلوم کرنے آئے ہیں۔ عمران نے انہی کو استہزاء میں لے کر بات کرتے ہوئے کہا۔

نہیں اب کوئی مزید بات نہیں ہو سکتی اور سڑ میں جاہوں تو تم دونوں کی لاشیں بھی کہیں نظر نہیں آسکیں گی۔ لیکن میں تمہیں اندر بھیج رہا ہوں۔ ایک لمحے میں اپنی صورتیں میرے سامنے سے غائب کر دو..... سردار خان نے اور زیادہ اونچی آواز میں چختے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے قندحاری انار کی طرح سرخ پڑ گیا تھا۔ آنکھوں سے ٹپکتے شعلے سے نکلنے لگ گئے تھے۔

”او کے جیسے آپ کی مرضی..... عمران نے کہا اور دردناک کی طرف ہنسنے لگا۔ اس کا ہاتھ اس کی کوٹ کی جیب میں پہنچ چکا تھا۔ چوہان بھی چونکنا نظر آ رہا تھا۔ اس نے بھی عمران کے پیچھے قدم بڑھائے لیکن دوسرے لمحے کرہ ٹھک ٹھک کی آوازوں کے ساتھ ہی دونوں باڈی گارڈز کی جتھوں سے گونب اٹھا اسی لمحے چوہان نے سردار خان پر چھلانگ

کو ہی نہ پہچان سکا۔

”کمال ہے۔ آپ نے تو واقعی مجھے سردار خان بنا ڈالا ہے۔ آنکھوں میں سرنی بھی ایسے ہی ہے۔“ جوہان نے مسکراتے ہوئے کہا تو عمران بھی ہنس پڑا۔

”سردار خان جیسا اب تم بنا کر مجھے تہہ کو تب اطف آئے۔“ عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ایک لمبے میں صورت غائب کر دو روزہ میں خود غائب ہو جاؤں۔“ جوہان نے سردار خان کی طرح کڑکڑا کر لہجے میں کہا تو عمران بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ پھر اس نے اس کے لہجے میں معمولی سی تراسیم کر انیس اور تھوڑی سی شق کے بعد جب عمران پوری طرح مطمئن ہو گیا تو وہ اصل سردار خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے

اس کا ناک اور منہ دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا۔ چند لمحوں بعد سردار خان کے جسم میں حرکت کے تاثرات نمودار ہونے لگے تو عمران بچے اسٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سردار خان کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل نکلیں لیکن اس کی آنکھوں میں جھانکی ہوئی وحشت بتا رہی تھی کہ ابھی وہ لاشوری کیفیت میں ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ وحشت صاف ہوتی گئی اور پھر جیسے ہی اس کی نظریں سامنے بیٹھے ہوئے جوہان پر پڑیں اس نے بے اختیار چونک کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن بندھا ہونے کی وجہ سے وہ صرف کسمسا کر رہ گیا۔

”یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ میرا مشکل یہ کون ہے۔ تم۔ تم نے مجھے

مناظر ہو کر فرش پر پڑے ہوئے سردار خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو جوہان نے ہاتھ میں بکری ہوئی مشین گن کا نڈھ سے نکالی اور جھک کر اس نے دونوں ہاتھوں سے بے ہوش سردار خان کو اٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور کمرے سے باہر آگیا۔ عمران آگے آگے چل رہا تھا۔ مختلف ابداریوں میں گھومنے کے بعد وہ ایک بڑے تہ خانے میں پہنچ گئے۔ جہاں ایک طرف بیٹیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ بیٹیوں پر چھپے ہوئے بڑے بڑے الفاظ سے سلف ظاہر تھا کہ ان بیٹیوں میں غیر ملکی شراب کی بوتلیں ہیں۔ ان بیٹیوں کے علاوہ یہ تہ خانہ بالکندہ دنگ۔ میٹنگ روم اور خواب گاہ تین حصوں میں بنا ہوا تھا۔

”اس کا لباس اتار کر خود پہن لو اور اپنا لباس اسے پہنا دو اور پھر اسے دسی سے جکڑ دیا میں اس دران کار سے میک اپ باکس لے آؤں۔“ عمران نے کہا اور تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگا۔ وہاں کی طرف بڑھ گیا۔ جوہان نے عمران کے حکم کی تعمیل شروع کر دی اور جب عمران واپس آیا تو جوہان نہ صرف لباس تبدیل کر چکا تھا بلکہ اس نے سردار خان کو ایک کرسی پر دسی سے جکڑ بھی دیا تھا۔

”بیٹھو پہلے تمہارے چہرے پر اس کا میک اپ کر دوں تاکہ تم اس کا کاردار ادا کر سکو۔۔۔۔۔۔“ عمران نے جوہان سے کہا اور جوہان ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عمران نے باکس کھولا اور اس کے ہاتھ تیزی سے جوہان کے چہرے پر چلنے شروع ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب عمران نے میک اپ باکس میں موجود آئینہ اٹھا کر جوہان کے ہاتھ میں دیا تو جوہان اپنے آپ

لیکن کیا میک اپ اس قدر مکمل بھی ہو سکتا ہے۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر۔۔۔ یہ۔۔۔ سردار خان کی ذہنی حالت واقعی حیرت کی حدت سے غراب ہو رہی تھی۔

تم سے جو پوچھا جا رہا ہے وہ بتاؤ اور یہ سن لو یہ واقعی میرا ساتھی ہے اور اس پر جہاد امیک اپ کر دیا گیا ہے۔ اسے جہاد الباس بھی پہنا دیا گیا ہے۔ تم خود اس کے لباس میں دو۔ ایسا اس نے کیا گیا ہے تاکہ اصل حالات سامنے آسکیں ہم نے ہر صورت میں اصل حالات کی رپورٹ حاصل کرنی ہے۔ اگر تم نے تعاون نہ کیا تو پھر میرا یہ ساتھی مستقل طور پر سردار خان بن جائے گا اور جہاد لاش بھی اسی پہاڑی نالے میں پھینک دی جائے گی۔۔۔ عمران نے استہانی سر جھٹکے میں کہا۔

نہیں نہیں ایسا مت کرو۔ خدا کے لئے ایسا مت کرو۔ سنو مجھ سے جتنی دولت چاہو لے لو لیکن ایسا مت کرو۔ مجھے مت مارو۔ سردار خان نے استہانی منت بھرے اور گڑگڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ موت سامنے نظر آتے ہی اسکی ساری اکو فوں ایک لمحے میں غائب ہو گئی تھی۔ تو پھر سب کچھ تفصیل سے بتا دو تاکہ ہم حکومت کو رپورٹ کر کے فارغ ہو جائیں۔۔۔ عمران نے کہا۔

مم۔ مم میں بتا رہا ہوں لیکن مجھ سے وعدہ کرو حلف اٹھا کر وعدہ کرو کہ تم مجھے نہیں مارو گے۔۔۔۔۔ سردار خان نے کہا۔

کوئی وعدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اعتماد کر سکتے ہو تو کرو ورنہ میں صرف ایک بار ٹریگر دباؤں گا اور تمہیں شاید قبر بھی نصیب نہ ہو سکے گی

باندھ دیا ہے۔ کون ہو تم۔ سردار خان نے بری طرح گڑبڑا کر ہوئے لہجے میں کہا۔ شدید حیرت اور بوکھلاہٹ کی وجہ سے اس کے لہجے سے وہ کلک اور غصہ یکسر غائب ہو چکا تھا۔

جہاد سے باڈی گارڈوں سمیت اس رہائش گاہ میں موجود مزید افراد کی لاشیں اس رہائش گاہ کے نیچے سے سینے والے پہاڑی نالے میں چھپ چکی ہیں سردار خان اور تم نے جس انداز کے انتظامات کر رکھے تھے انہیں دیکھ کر مجھے یقین ہے کہ تم اپنے مخالفوں کی لاشیں بھی اسی پہاڑی نالے میں ہی پھینکو دیتے ہو گے۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

تم۔ تم کون ہو۔ تم سرکاری آدمی نہیں ہو سکتے۔ سرکاری ادارے اس طرح قتل و غارت نہیں کرتے۔ کون ہو تم۔ اوہ۔ اوہ۔ کیم جہاد اطلاق اس گروپ سے تو نہیں ہے۔ جس میں وہ سیکرٹ لیجنز علی عمران شامل ہے۔ سردار خان نے بات کرتے کرتے ہونٹیں کھینچ کر کہا۔

جہیں علی عمران کے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا ہے۔ جہاد پینجی کو اسی نے اطلاع دی تھی۔۔۔۔۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پینجی کو تو کیا جہاد واقعی تعلق ملری انٹیلی جنس سے ہے۔ لیکن ملری انٹیلی جنس والے تو اس طرح کی حرکتیں نہیں کرتے جی طرح کی تم کر رہے ہو۔۔۔ یہ میرا مشکل کون ہے۔ اوہ۔ اوہ۔ ہاں کچھ گیا تو یہ وہی جہاد اساتھی ہے۔ تم نے اس پر میک اپ کیا ہے۔

بکڑے ہوئے ریو الوور کا رخ سردار خان کی پیشانی کی طرف کر دیا۔ اس کے چہرے پر یکھٹ استہانی سفاکی کے تاثرات ابھرائے تھے۔
 • رک جاؤ مت مارو نیچے رک بلاؤ میں بلواتا ہوں میں بلواتا ہوں رک جاؤ۔ سردار خان نے بری طرح چبھتے ہوئے کہا۔

• سنو اگر تم نے اسے کوئی اشارہ کرنے کی کوشش کی یا اگر اس نے یہاں فوری طور پر آنے سے انکار کر دیا تو پھر جہادی موت پلک جھپکے میں آجائے گی اور اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ کیا نہیں ہوتا۔ وہ ہم خود سنبھال لیں گے۔ لیکن اگر تم نے اسے یہاں بلایا تو میرا وعدہ کہ ہم اس سے بھی مکمل معلومات حاصل کر کے تم دونوں کو زندہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ کیونکہ ہم نے صرف رپورٹ کرنی ہے۔ یہ کام حکومت کا ہے کہ وہ اس اسلحہ فیکٹری کے بارے میں کیا فیصلہ کرتی ہے۔
 عمران نے سر دلچے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

• میں بلاتا ہوں۔ وہ آئے گا۔ میں کوئی اشارہ نہ کروں گا۔ عمران کی توقع کے عین مطابق سردار خان نے کہا۔ عمران نے ہاتھ میں بکڑا ہوا ریو الوور جیب میں ڈالا اور کرسی سے اٹھ کر وہ ایک طرف بٹے ہوئے دفتر نما حصے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں کارڈ لیس فون موجود تھا۔ عمران نے فون پیس اٹھایا اور واپس اس حصے میں آگیا جہاں چوہان کے ساتھ سردار خان موجود تھا۔

• نمبر بتاؤ..... عمران نے سردار خان سے مخاطب ہو کر کہا تو سردار خان نے نمبر بتا دیا۔ عمران نے نمبر پر ریس کرنے سے پہلے اس

باقی حالات میرا ساتھی جہادے روپ میں خود ہی معلوم کر لے گا۔..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس نے جیب سے سائفلر نکال کر ریو الوور لے کر ہاتھ میں بکڑ لیا۔ وہی ریو الوور تھا جس کی مدد سے اس نے سردار خان کے باڈی گارڈز کو ہلاک کیا تھا۔

• میں بتا رہا ہوں۔ سب کچھ بتا رہا ہوں۔ سردار خان نے اور زیادہ خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر اس نے اس فیکٹری کے بارے میں تفصیلات بتانی شروع کر دیں۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ اعظم خان اس میں اس کا بزنس شریک ہے اور اس نے فون پر ساری بات اسے بتادی تھی سب سے۔
 • اگر تم اس فیکٹری میں جانا چاہو۔ تو تم کیا کر دو گے۔ عمران نے پوچھا۔

• وہ۔ وہ اعظم خان ہی لے جاسکتا ہے۔ وہی انتظام کرنے والا ہے مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہے۔..... سردار خان نے جواب دیا۔
 • اعظم خان کو تم یہاں بلوا سکتے ہو۔..... عمران نے جھد لے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

• نہیں وہ نہیں آئے گا وہ بے حد ہوشیار آدمی ہے۔ اسے شک پڑ جائے گا۔..... سردار خان نے کہا۔

• ٹھیک ہے پھر تم تو پہاڑی نالے میں تیرتے نظر آؤ۔ میرا ساتھی خود ہی اسے بلا لے گا۔ تم پھر ہمارے لئے بیکار ہی ثابت ہوئے۔
 عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں

کیا آپ نے ہتھیک کر لیا ہے کہ وہ واقعی لمبی انتہیل جنس کے ہی سر پر ہیں۔۔۔ دوسری طرف سے اہم خنان نے نشوونما بھرے لیے
میں کیا۔

تو تم ہمیں احمق سمجھتے ہو۔ ہم نے نہ صرف ان کے شافی کارڈ
چیک کرائے ہیں بلکہ ملٹری انٹیلی جنس کے چیف سے بھی فون پر
تصدیق کر لی ہے۔ سردار نے پہلے سے زیادہ غصیلے لہجے میں کہا۔
نھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔ اعظم خان نے جواب دیا۔

- جلدی آؤ تاکہ = قہار ا بیان لے کر ہاں سے جلدی جا سکیں تم
 جانتے ہو کہ میں سرکاری آدمیوں کو زیادہ دیر تک اپنے ذریعے پر
 برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ ۔۔۔ سردار خان نے کہا۔

میں جانتا ہوں خان میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ عمران نے فون پیس بنایا اور اسے آف کر دیا۔

• غلام نے واقعی میری ہدایات کے مطابق کام کیا ہے۔ اسے یہاں پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔ عمران نے کہا۔

”زیادہ دیر نہیں لگے گی وہ بیس پچیس منٹ میں یہاں پہنچ جائے گا۔۔۔ سردار خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”او کے میں باہر پھانگ پر جا رہا ہوں۔ تم یہیں بیٹھو..... عمران نے چوہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اس تہہ خانے کے برونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں موجود لاؤڈر کا بین آں کیا اور پھر سردار خان کے بتائے ہوئے نمبر
 ڈائل کر کے اس نے فون پیس کو اس کے کان اور منہ سے لگا دیا۔
 دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔
 میں اعظم خان بول رہا ہوں۔
 کافی دیر تک گھنٹی بجنے کے بعد
 ایک بھاری آواز سنائی دی۔

۱۰۔ اعظم خان میں بڑا خان بول رہا ہوں۔ سردار خان نے لپٹے مخصوص کلرک دار لہجے میں کہا تو عمران نے تحسین آسیر انداز میں اشارت میں سر ہٹا دیا۔

آپ نے کیے فون کیا۔ دوسری طرف سے اعظم خان کے بچے میں حیرت تھی جیسے سردار خان کا اسے فون کرنا انتہائی غیر متوقع بات ہو۔

میرے پاس ملری انتیلی جنس کے دو کرنل موجود ہیں۔ وہ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ ملری انتیلی جنس کے چیف نے انہیں بھیجا ہے۔ کیونکہ اس سیکرٹ ایجنٹ عمران نے حکومت کو رپورٹ دی ہے کہ سردار خان برودہ فروشی ہے اور اس نے راکوش میں برودہ فروش کا بڑا اڈہ بنایا ہوا ہے۔ میں نے انہیں پوری طرح مطمئن کر دیا ہے۔ چونکہ تم یہاں کے پولیس چیف ہو۔ اس لئے وہ اس بارے میں تمہارا بیان بھی لینا چاہتے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا بیان میرے سامنے دو۔ اس لئے تم فوراً میرے ڈیرے پر آ جاؤ..... سردار خان نے اسی طرح بارعب لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

ہونے پوچھا۔

ایک سو آٹھ جناب۔ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔

تم وہیں رکو میں انسپکٹر عظمت کو بھیج رہا ہوں۔ باقی کارروائی وہ کرے گا۔ تم نے اس کی رہنمائی کرنی ہے۔ اعظم خان نے تیز لپے میں کہا اور سیورہ کچھ کر اس نے سیز کے کونے پر لگاؤ ایک بلن دیا دیا دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک بارودی سپاہی نے اندر آکر باقاعدہ سیٹ کیا۔

انسپکٹر عظمت کو بلاؤ فوراً۔ اعظم خان نے کہا تو سپاہی ایک بار پھر سیٹ کر کے تیزی سے مڑا اور باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور ایک لمبے قد اور بھاری جسم کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہمسرہ پر انسپکٹر کی یونیفارم تھی۔ اس نے بھی اندر آکر سیٹ کیا۔ انسپکٹر عظمت بیٹھ جاؤ اور سری ہدایات سنو۔ تم نے ابھی ایک فارنامہ سرانجام دینا ہے اور اگر تم نے یہ کارنامہ سری مرضی کے مطابق سرانجام دے دیا تو تمہیں ابھی اور اسی وقت چیف انسپکٹر بنا دیا جائے گا۔ اعظم خان نے ہونٹ جباتے ہوئے کہا۔

میں سر حکم کی پوری پوری تعمیل ہوگی سر۔ انسپکٹر عظمت نے سیز کی دوسری طرف پڑی ہوئی کرسی پر مؤدبانہ انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

میرے بزنس منیجر آدم خان کو اس کے دفتر سے اغوا کیا گیا ہے۔ اغوا کرنے والے چھ افراد ہیں۔ جن کا تعلق دارالحکومت سے ہے۔ ان

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے ہی سیز کے پیچھے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پولیس چیف اعظم خان نے ہاتھ بڑھا کر سیورہ انھایا۔

میں۔ اعظم خان کا لہجہ انتہائی بارعب تھا۔

سپاہی رحمت دین بول رہا ہوں جناب میں نے آدم خان کا سراغ لگایا ہے جناب۔ دوسری طرف سے ایک مدھم سی آواز سنائی دی۔ کہاں ہے وہ۔ اعظم خان نے چونک کر پوچھا۔

اس کی کار ساراں کالونی کی ایک کونھی میں موجود ہے۔ جناب۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

تم کہاں سے فون کر رہے ہو۔ اعظم نے تیز لپے میں پوچھا۔ کالونی کے ہینک فون بوتھ سے جناب۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

کیا نمبر ہے اس کونھی کا۔ اعظم خان نے ہونٹ جباتے

کلی کر کے رپورٹ دو۔ اعظم خان نے دوسرا حکم دیتے ہوئے کہا۔
 یس سر۔ انسپکٹر عظمت نے کہا اور ایک بار پھر سیلٹ مار کر
 دوجی سے مزا اور کرے سے باہر نکل گیا۔ اعظم خان نے ایک بار پھر
 سیز کے کنارے پر لگا ہوا بینا دیا۔ دوسرے لمحے وہی بارودی سپاہی
 دشا نے اس کا چہرہ اسی تمھارا داخل ہوا اور اس نے اسے باقاعدہ سیلٹ
 مارا۔

الماری سے سپیشل فرانسیس نکال کر یہاں میز پر رکھو۔ اعظم
 خان نے تیز لہجے میں اسے حکم دیتے ہوئے کہا۔

یس سر۔ چہا اسی نے کہا اور تیزی سے ایک طرف دیوار کے
 ساتھ دھکی ہوئی اوپن کی الماری کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے الماری
 ماری اور اس کے چھ خانے میں موجود ایک بڑا سا ٹرانسمیٹر نکال کر اس
 نے بڑے مودبانہ انداز میں اعظم خان کے سامنے رکھا اور سیلٹ مار
 کر وہ دفتر سے باہر نکل گیا۔ اعظم خان نے ٹرانسمیٹر پر ایک مخصوص
 فریکوئنسی ایڈجسٹ کی اور پھر اس کا ریسیونگ بین آؤن کرنے کے بعد
 اس نے ہاتھ بڑھا کر فون کا ریسیور اٹھایا اور اس نے کریڈل پر دو تین
 بار ہاتھ مارا۔

یس سر۔ دوسری طرف سے اس کے پی اے کی مودبانہ آواز
 ملانی دی۔

جب تک میں دوسری ہدایات نہ دوں۔ مجھے کسی طرح بھی
 لاسٹ نہ کیا جائے۔ اعظم خان نے تیز لہجے میں کہا اور اس کے

کے ساتھ ایک مقامی آدمی کرنل آفتاب بھی بتایا گیا ہے۔ یہ لوگ
 بہت بڑے مجرم ہیں۔ میں نے ان کی تلاش کا حکم سارے مخبروں کو
 دے دیا تھا۔ سپاہی احمد دین نے اسے تلاش کر لیا ہے۔ اس کی کار
 ساراں کالونی کی کوٹھی نمبر ایک سو آٹھ میں کمزری دیکھی گئی ہے۔
 مجرم بھی یقیناً اسی کوٹھی کے اندر موجود ہوں گے۔ میں ان سب
 زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن چونکہ یہ انتہائی خطرناک مجرم ہیں
 اس لئے اگر تم نے عام پولیس کے انداز میں دیکھا تو یہ یقیناً فرار
 جائیں گے اور پھر ان کو ٹریس کرنا محال ہو جائے گا۔ تم ایسا کرو کہ
 سپیشل اسکاؤڈ کو ساتھ لو اور سپیشل سنور سے بے ہوش کر اپنے وائ
 گیس کے پستل بھی لے لو اور اس کوٹھی کو گھیر کر اس کے اندر یہ
 گیس اتنی مقدار میں فائر کرو کہ یہ بے ہوش ہو جائیں۔ اس کے بعد
 اندر داخل ہو کر انہیں گرفتار کرو اور انہیں سپیشل سنٹر پہنچا دو۔
 سپیشل سنٹر کے انچارج انسپکٹر عارف کو میں فون کروں گا۔ تم جیسے
 ہی انہیں وہاں پہنچاؤ گے وہ مجھے فون کر دے گا۔ تم نے پھر واپس آ جانا
 ہے اگر تم انہیں اس طرح بے ہوش کر کے سپیشل سنٹر پہنچانے میں
 کامیاب ہو گئے تو تمہیں فوری ترقی دے کر چیف انسپکٹر بنا دیا جائے
 گا۔ اعظم خان نے تیز لہجے میں کہا۔

آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی جناب۔ انسپکٹر عظمت نے فوراً
 اٹھ کر ایک بار پھر سیلٹ مارے ہوئے کہا۔

سپیشل ٹرانسمیٹر ساتھ لے جاؤ اور جب انہیں گرفتار کرو تو مجھے

عظمت نے ہے: وعے لے لیں کہا۔

تم نے اچھی طرح کوٹھی کی تلاش لے لی ہے۔ اس میں کوئی تہہ
نہیں ہے اور ”اعظم خان نے اسی طرح تیرے لیے میں کہا۔
میں نے تلاش لے لی ہے۔ بتاؤ اس میں کوئی تہہ نہایت نہیں ہے
اور ”دوسری طرف سے انیسٹر نے کہا۔

”او کے تم ایسا کرو کہ ان سب بے ہوش افراد کو آؤم خان کی لاش
سیت اسپیشل سنٹر پہنچا دو اور اسپیشل اسکو اڈ کو اور اس ممبر سپاہی احمد
دین کو ایس یاہر ہرے پر چھوڑ دو۔“ دو سکتا ہے کہ وہ دونوں کہیں گئے
ہوئے ہوں۔“ اسپیشل اسکو اڈ کو کہہ دو کہ جیسے ہی وہ دونوں واپس آئیں
انہیں گولی سے اڑا دیا جائے اور تم بھی ان افراد کو اسپیشل سنٹرل چھوڑ
کر واپس آنا اور۔“ اعظم خان نے کہا۔

ان دو آنے والوں کو ہلاک کر دیا جائے جہاب اور..... عظمت
خان نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

ہاں وہ قاتل ہیں انہوں نے آدم خان کو ہلاک کیا ہے اور فطرت ناک مجرم ہیں اس لئے ان کی فوری ہلاکت ضروری ہے اور۔۔۔
اعظم خان نے ہونٹ جباتے ہوئے کہا۔

ان بے ہوش افراد کو بھی گولی مار دی جائے جناب یا اور۔
انسکڑ عظمت نے دُور تے دُور تے پوچھا۔

”نفس۔ انہیں اس بے ہوشی کے عالم میں سپیشل سٹریپنڈاؤ۔
فی الحال آدم خان کے انتقام کے طور پر دو مجرموں کی ہلاکت کافی ہے۔“

ساتھ ہی اس نے رسپور رکھ دیا۔ اب اسے انسپکٹر عظمت کی کال کا انتظار تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے طویل اور شدید انتظار کے بعد ٹرانسپیر سے کال آنا شروع ہو گئی تو اعظم خان نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا پتہ آن کر دیا۔

ہیلو ہیلو انیسکڑ عہمت کالنگ اور -
عہمت کی آواز سنائی دی -

یہاں اور... اعظم خان نے رعب دار لہجے میں کہا۔

”سر میں نے کوٹھی میں بے ہوش کر دینے والی کیس فائر کی اور پھر جب گیس کے اثرات ختم ہوئے تو میں سپیشل اسکو اڈا کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ کوٹھی میں پانچ افراد بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک مقامی آدمی کو قتل آفتاب بھی ہے اور جناب کوٹھی کے ایک کمرے سے آدم خان کی لاش بھی ملی ہے۔ اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا ہے اور..... انسپکٹر عھمت نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔“

خان نے استہابی غصیلے لہجے میں کہا۔

”نہیں سہرا اور..... دوسری طرف سے کہا گیا۔“

جس نے چاہے۔
 وہاں اس کر نل آفتاب سمیت سات افراد ہونے چاہئے تھے۔
 جب کہ تم کہہ رہے ہو کہ وہاں پانچ ہیں باقی دو کہاں ہیں اور؟^{۱۴}
 خان نے چٹختے ہوئے کہا۔

سریں کیا جاسکتا ہوں۔ یہ لوگ تو بے ہوش ہیں اور۔۔۔ انکی

”بڑے خان کی کال اور سپیشل فون پر کوئی خاص الخاص بات ہی ہو سکتی ہے۔“..... اعظم خان نے الماری کھولتے ہوئے بڑبڑا کر کہا اور

انسپیکٹر عارف میرے حکم پر انسپکٹر عظمت پانچ بے ہوش افراد کے ساتھ ساتھ میرے بزنس مینجر آدم خان کی لاش لے کر تمہارے پاس آ

والے دی دونوں آدمی ہیں اور یقیناً انہوں نے بڑے خان کو مجبور کر کے یہ فون کرایا ہے۔ کیونکہ بڑے خان نے جواب میں شافی کارڈ کی بینک کے ساتھ ساتھ ملٹری انٹیلی جنس کے چیف سے بات کرنے کا کہا تھا اور یہ فقرات خصوصی کو ڈتھے۔

”ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔“ اعظم خان نے سپاٹ لپے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ اس کے جواب میں بڑے خان نے ایک بار پھر اسے جلد آنے کی تاکید کی اور اس طرح اعظم خان کنفرم ہو گیا کہ وہ جو کچھ سوچ رہا تھا وہ درست ہے۔ اس نے رسیور کیڈل پر رکھا اور الماری بند کر کے وہ تیزی سے واپس اپنے دفتر میں آیا۔ لیکن کرسی کی طرف بڑھنے کی بجائے وہ تیز قدم اٹھاتا ہر دلی دروازے کی طرف جلد گیا۔ دروازے سے باہر کھڑے باوردی پتھری نے اسے سلیوٹ کیا لیکن اعظم خان اس کے سلیوٹ کو نظر انداز کرتا ہوا تیزی سے ایک طرف پورچ میں کھڑی اپنی مخصوص جیب کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جیب کے ساتھ باوردی ڈرائیور موجود تھا۔

”جلوراجہ ہاؤس چلو جلدی کرو۔“ اعظم خان نے اچھل کر سائیڈ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو ڈرائیور بجلی کی سی تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور دوسرے لمحے جیب مکان سے نکلے والے تیر کی طرح دولتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد جیب ایک چھوٹے سے مکان کے گیٹ پر پہنچ کر ایک جھٹکے سے رکی تو اعظم خان تیزی سے نیچے اترا اور مکان کے بند بھانک کی طرف بڑھتا چلا

الماری کھول کر اس نے ایک خانے میں رکھے ہوئے سرخ رنگ کا فون اٹھا لیا اور اسے کرے میں موجود میز پر رکھ کر اس کا رسیور اٹھا لیا۔
”یہ اعظم خان بول رہا ہوں۔“ اعظم خان نے سپاٹ لپے میں کہا۔

اعظم خان میں بڑا خان بول رہا ہوں دوسری طرف سے بڑے خان کی کڑک دار آواز سنائی دی اور اعظم خان ایک بار پھر چونک پڑا۔

”آپ۔ آپ نے کیسے فون کیا۔“ اعظم خان نے مجھے میں حیرت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ کیونکہ بڑے خان نے فون پر اپنا نام سردار خان کی بجائے خود کو بڑا خان کہا تھا اور یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ بڑا خان کسی مشکل میں گرفتار ہے۔ یہ ان کے درمیان جیل سے طے شدہ ایک کوڈ تھا۔

سیرے پاس ملٹری انٹیلی جنس کے دو کرنل موجود ہیں۔ وہ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ بڑے خان نے بات کرتے ہوئے تفصیل بتائی شروع کر دی اور اعظم خان کے ذہن میں دو کرنلوں کا سن کر فوراً انسپکٹر عھمت کی رپورٹ آگئی جس کی رپورٹ کے مطابق کوٹھی سے دو افراد غائب تھے۔

”کیا آپ نے چیک کر لیا ہے کہ وہ واقعی انٹیلی جنس کے ہی کرنل ہیں۔“ اعظم خان نے جان بوجھ کر پوچھا اور پھر بڑے خان نے اس کا جواب دیا اس سے اعظم خان سمجھ گیا کہ بڑے خان کے پاس پہنچنے

پر ایک اور سردار بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر سردار خان کا مخصوص مقامی لباس تھا۔

۔۔۔ یہ کیا چکر ہے۔ اعظم خان نے حیران ہو کر بڑبڑاتے ہوئے کہا اور ابھی اس کی بڑبڑاہٹ جاری تھی کہ وہ ایک بار پھر چونک پڑا۔ جب کہ دروازے سے ایک اور نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کے جسم پر بھی تھری پیس سوٹ تھا۔

تم تو کہہ رہے تھے کہ اعظم خان بیس پچیس منٹ کے اندر یہاں پہنچ جائے گا۔ جب کہ اب چالیس منٹ گزر چکے ہیں۔ کہیں تم نے اسے کوئی خاص اشارہ تو نہیں کر دیا۔ آنے والے کے ہونٹ ہلے اور اس کی آواز مشین کے سب سے نیچے لگی ہوئی جالی میں سے سنائی دے رہی تھی۔

وہ سناتا ہے وہ کسی انتہائی ضروری کام میں پھنسا ہوا ہو۔ اس لئے اسے دیر ہو گئی ہو۔ بہر حال وہ آجائے گا۔ میں نے جو بات بھی کی ہے تمہارے سامنے ہی کی ہے۔ کرسی پر بندھے بیٹھے ہوئے سردار خان نے جواب دیا اور اعظم خان پر ساری صورت حال واضح ہوتی چلی گئی۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے ایک طرف لگے ہوئے سرخ رنگ کے سینڈل کو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تو سکرین پر یکنیت سرخ رنگ کی چادر سی چھا گئی۔ اعظم خان نے سینڈل کو چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے سینڈل کھٹاک کی ہلکی سی آواز پیدا کرتے ہوئے واپس اپنی جگہ ایڈجسٹ ہو چکا تھا۔ اعظم خان کی نظریں سکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

گیا۔ پھانک پر منبروں والا تالہ لگا ہوا تھا۔ اعظم خان نے تیزی سے منبر ملانے۔ تالا کھولا اور پھر پھانک کو دھکیل کر وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ چلنے کی بجائے دوڑ رہا ہو۔ پھر وہ سالان عبور کر کے وہ برآمدے کی سیرمیاں چرمتا ہوا اوپر پہنچا اور پھر ایک راہداری سے گزر کر وہ سیرمیاں اترتا ہوا ایک تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ تہہ خانے کی ایک دیوار کے ساتھ ایک بڑی سی مشین نصب تھی اس مشین کے سامنے پہنچ کر اعظم خان نے بجلی کی سی تیزی سے اس کے مختلف حصوں کے بن آن کرنے شروع کر دیئے۔ چند لمحوں بعد مردہ مشین میں زندگی کی لہری دوڑ گئی اور ڈاسٹوں پر ساکت سونیاں حرکت کرنے لگیں اور مختلف چھوٹے بڑے بلب تیزی سے جلنے لگیں۔ اعظم خان نے ایک سرخ رنگ کا بن دبایا تو اس بن کے اوپر لگی ہوئی چھوٹی سی سکرین روشن ہو گئی۔ اس پر ایک کمرے کا منظر ابھر آیا لیکن یہ کمرہ خالی تھا۔ اعظم خان نے بن کے نیچے لگی ہوئی ناب کو آہستہ آہستہ دائیں سے بائیں گھمانا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے ناب گھومتی گئی۔ سکرین پر منظر بدلتے چلے گئے۔ چند لمحوں بعد جیسے ہی ایک کمرے کا منظر سکرین پر ابھرا اعظم خان نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر شدید ترین حیرت کے تاثرات ابھرائے کیونکہ اس منظر میں اسے کرسیوں پر دو سردار خان بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ایک سردار خان جس کے جسم پر تھری پیس سوٹ تھا کرسی پر کرسیوں سے بندھا بیٹھا ہوا تھا جب کہ اس کے سامنے ایک اور کرسی

ہیلو ہیلو اعظم خان کالنگ اور۔۔۔ بن آن کرتے ہی اس نے بار بار کال دینا شروع کر دی۔
 - یس سر انسپکٹر عظمت بول رہا ہوں۔۔۔ اور۔۔۔ چند لمحوں بعد ٹرانسمیٹر میں سے انسپکٹر عظمت کی مودبانہ آواز سنائی دی۔
 - کیا رپورٹ ہے انسپکٹر عظمت اور۔۔۔ اعظم خان نے اس بار رعب دار سٹیج میں پوچھا۔

- جناب آپ کے حکم کے مطابق پانچویں بے ہوش افراد اور آدم خان کی لاش سپیشل سنٹر میں انسپکٹر عارف کو پہنچادی ہے اور اسے یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان لوگوں کو کس گیس سے بے ہوش کیا گیا ہے اور میں اب کے حکم کے مطابق یہاں واپس آگیا ہوں۔ ہم یہاں نگرانی کر رہے ہیں لیکن ابھی تک وہ دونوں افراد واپس نہیں آئے اور۔۔۔ انسپکٹر عظمت نے تفصیلی رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

- یہ دونوں افراد بڑے خان کے ڈیرے پر پہنچے تھے۔ جہاں میں نے بڑے خان کی کال پر انہیں خصوصی انتظامات کے ذریعے بے ہوش کر دیا ہے۔ تم ایسا کرو کہ سپیشل اسکوڈ کو لے کر فوراً بڑے خان کے ڈیرے پر پہنچو۔ وہاں ایک کمرے میں بڑا خان جے زبردستی تھری پیس سوٹ پہنایا گیا تھا ایک کرسی پر رسی سے بندھے ہوئے بے ہوش ملیں گے۔ اس کے ساتھ ہی فرش پر دو افراد بے ہوش پڑے ہوں گے۔ جن میں سے ایک نے اپنے چہرے پر بڑے خان کا میک اپ کیا ہوا ہے اور بڑے خان کا لباس اس نے پہن رکھا ہے اور دوسرا تھری پیس سوٹ

سکرین گہری سرخ نظر آرہی تھی لیکن رنگ آہستہ آہستہ غائب ہوتا جا رہا تھا اور جب اعظم خان کو دوبارہ کمرے کا منظر نظر آنے لگا تو اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ رنگنے لگی۔ کیونکہ کمرے میں کرسی پر بندھے بیٹھے سردار خان کی گردن بھی ڈھٹکی ہوئی تھی۔ جب کہ کرسی پر بیٹھا ہوا سردار خان پہلو کے بل نیچے فرش پر گر ہوا تھا اور دوسرا آدمی جو سردار خان سے بات کر رہا تھا وہ بھی فرش پر پڑا نظر آ رہا تھا۔ اعظم خان چند لمحوں تک ان تینوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ناب کو ایک بار پھر گھمانا شروع کر دیا۔ سکرین پر ایک بار پھر منظر بدلنے لگ گئے۔ اسے سردار خان کے باڈی گارڈز اور دوسرے محافظوں کی تلاش تھی لیکن سب کمرے خالی تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پوری کونھمی کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مشین کے بن آن کئے اور پھر تیزی سے مڑ کر واپس سرخیاں چرچتا ہوا اوپر رابڈاری میں پہنچا۔ اس کی جیب ابھی تک پھانک کے باہر موجود تھی۔ اعظم خان پھانک سے باہر آیا۔ اس نے پھانک بند کیا اور نمبروں والا تالا لگانے کے بعد وہ جیب کی سائٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

- واپس ہیلڈ کو اڑ چلو۔۔۔ اعظم خان نے کہا اور ڈرائیور نے جیب بیک کی اور پھر اسے موڑ کر وہ واپس ہیلڈ کو اڑنے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اعظم خان اپنے دفتر میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے میز پر پڑے ہوئے سپیشل ٹرانسمیٹر پر ایک فریکوئنسی ایڈجسٹ کی اور پھر اس کا بشن آن کر دیا۔

روم میں رکھوا دی ہے۔ انسپکٹر خائف نے جواب دیتے ہوئے کہا۔
 - سو بڑے خان کے ڈرے پر ان پانچ ملازموں کے دو ساتھی بیٹھے۔
 انہوں نے وہاں بڑے خان کو بے ہوش کر کے ان میں سے ایک نے
 اپنے چہرے پر بڑے خان کا میک اپ کیا اور بڑے خان کا لباس پہن لیا
 جب کہ بڑے خان کو اس نے اپنا تعمری پتیس سوٹ پہنا دیا اور پھر
 انہیں ایک کرسی پر رسی سے باندھ دیا۔ مجھے غصہ اٹھانے والی تو میں نے
 افسوس منی انتظامات کے تحت ان کو بے ہوش کر دیا ہے۔ بڑے خان کو
 صبح مجبوراً بے ہوش کرنا پڑا ہے۔ انسپکٹر عظمت بے ہوش بڑے خان
 اور ان دونوں بے ہوش مجرموں کو سپیشل سنٹر لارہا ہے۔ تم انہیں
 وصول کرنے کے بعد بڑے خان کو جن کے جسم پر تعمری پتیس سوٹ
 ہے۔ سپیشل روم میں بیٹھ پر لٹا دینا۔ جب کہ باقی دونوں مجرموں کو
 بھی بلیک روم میں ان کے ساتھیوں کے ساتھ زنجیروں سے جکڑ دینا
 اور جس مجرم نے بڑے خان کا میک اپ کیا ہے۔ سپیشل میک اپ
 وائر سے اس کا میک اپ واش کر دینا۔ چونکہ انہیں ایک خصوصی
 گیس سے بے ہوش کیا گیا ہے۔ اس لئے میں انہیں ہوش میں لانے
 کے لئے اس گیس کے کتاریات لینے کے لئے فوجی چھاؤنی کے سپیشل سنٹر جا
 رہا ہوں وہاں سے واپسی پر سپیشل سنٹر آؤں گا۔ میرے آنے تک تم
 نے ان سب مجرموں کا خاص طور پر خیال رکھنا ہے۔ اعظم خان
 نے تیر لہجے میں کہا۔
 - میں سر حکم کی تعمیل ہوگی سر..... دوسری طرف سے انسپکٹر

میں ہے۔ بڑے خان سمیت ان دونوں افراد کو بھی سپیشل سنٹر میں
 انسپکٹر خائف کے پاس پہنچا دو اور..... اعظم خان نے ہدایات دیتے
 ہوئے کہا۔

- میں سر اور..... دوسری طرف سے انسپکٹر عظمت نے جواب دیا
 - یہ سارا کام کرنے کے بعد تم نے سپیشل اسکوڈ کو واپس بھیج دینا
 ہے اور خود واپس اپنے کوارٹر پہنچ جانا۔ میں اب سپیشل سنٹر جا رہا ہوں۔
 وہاں سے واپسی پر جس فوری ترقی دے دی جائے گی اور اینڈ
 آل..... اعظم خان نے کہا اور ٹرانسمیٹر آف کر کے اس نے فون کا
 رسیور اٹھایا اور تیزی سے منبر وائس کرنے شروع کر دیتے۔

- سپیشل سنٹر..... ایک کرخت سی سرداء آواز سنائی دی۔
 - انسپکٹر خائف سے بات کراؤ..... اعظم خان نے کوک داریج
 میں کہا۔

- میں سر..... دوسری طرف سے انتہائی خود بانہ لہجے میں کہا گیا۔
 - ہیلو سر میں انسپکٹر خائف بولی رہا ہوں..... چند لمحوں بعد انسپکٹر
 خائف کی آواز سنائی دی۔

- انسپکٹر عظمت بے ہوش افراد کو پہنچا گیا ہے..... اعظم خان نے
 تیر لہجے میں پوچھا۔

- میں سر پانچ بے ہوش افراد اور آدم خان کی لاش موصول ہو چکی
 ہے۔ میں نے ان بے ہوش افراد کو بلیک روم میں زنجیروں سے جکڑ
 دیا ہے اور آدم خان کی لاش بھی آپ کے حکم کے مطابق وائس بلیک

عارف نے جواب دیا اور اعظم خان نے رسیور کر نیل پر رکھا اور کرسی سے اٹھ کر وہ حیرتیز قدم اٹھاتا ایک بار پھر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

عمران بڑے خان کی کونٹھی کے برآمدے میں کافی دیر تک کھڑا رہا۔ کیونکہ اعظم خان کے آنے پر وہ اسے وہیں پھانگ پر ہی قابو میں کر لینا چاہتا تھا۔ بڑے خان کے کہنے کے مطابق اعظم خان نے بیس چھبیس منٹ میں پہنچ جانا تھا۔ لیکن اسے وہاں کمرے کمرے تقریباً پینتیس چالیس منٹ کا طویل وقت گزر گیا تھا لیکن ابھی تک کوئی نہ آیا تھا۔

”اس کا مطلب ہے کہ سردار خان نے ضرور کوئی جکڑ چلا دیا ہے۔“

عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور واپس مڑ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں چوہان اور سردار خان موجود تھے۔

”تم تو کہہ رہے تھے کہ اعظم خان بیس چھبیس منٹ کے اندر یہاں پہنچ جائے گا۔ جب کہ اب چالیس منٹ گزر چکے ہیں۔ کہیں تم نے اسے کوئی خاص اشارہ تو نہیں کر دیا؟“.....

عمران نے کرسی پر بندھے بیٹھے سردار خان سے مخاطب ہو کر سخت لہجے میں کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بے اختیار ایک لمبی سانس نکل گیا۔ اس بڑے سے کمرے کی اس دیوار کے ساتھ اس کے تمام ساتھی اور کرنل آفتاب بھی اسی طرح زنجیروں سے جکڑے ہوئے موجود تھے اور اس کے ساتھیوں اور کرنل آفتاب سب کے جسموں میں حرکت کے تاثرات نمودار ہو رہے تھے۔ عمران نے نظریں اٹھا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے لبوں پر بے اختیار اطمینان بھری مسکراہٹ ریگ گئی۔ اس کی کلائیوں میں موجود کمرے بنوں والے تھے۔ اس نے اپنی انگلیاں موزیوں اور مخصوص ورزش کی وجہ سے چند ہی لمحوں کی کوشش کے بعد اس کی انگلیاں ان بنوں پر پہنچ چکی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ بیند باکر ہاتھوں کو ان کڑوں سے آزاد کراتا۔ اچانک کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور عمران دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دروازے سے سردار خان داخل ہو رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک باوردی پولیس آفیسر تھا جس کے کاندھوں پر موجود سنار بتا رہے تھے کہ وہ پولیس چیف ہے۔ ظاہر ہے وہ اعظم خان تھا۔ ان دونوں کے پیچھے دو مشین گنوں سے مسلح باوردی افراد تھے جن میں سے ایک کاندھوں پر لگے ہوئے سنارز کے تحت انسپکٹر اور دوسرا بغیر سنار کے سپاہی تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں مشین گنیں تھیں۔ اسی لمحے عمران کو ساتھیوں کی کراہیں سنائی دیں اور وہ سمجھ گیا کہ وہ سب ہوش میں آ رہے ہیں۔

”تمہیں پوری طرح ہوش آ گیا ہے علی عمران“۔ سردار خان نے

”ہو سکتا ہے۔ وہ کسی انتہائی ضروری کام میں پھنسا ہوا ہو۔ اس لئے اسے زیر ہو گئی ہو۔ بہر حال وہ آجائے گا۔ میں نے جو بات بھی کی ہے۔ تمہارے سلسلے ہی کی ہے“۔ سردار خان نے جواب دیتے ہوئے کہا اور ابھی سردار خان کا فقرہ مکمل ہوا ہی تھا کہ اچانک جھٹ سے چٹک کی آواز سنائی دی اور دوسرے لمحے کمرہ تیز سرخ رنگ کی روشنی سے یکھٹ بھر سا گیا اور اس سے پہلے کہ عمران کچھ سمجھتا۔ اس کا ذہن جیسے اچانک کمرے کے شہز کی طرح بند ہو گیا پھر جس طرح گہرے اندھیرے میں بجلی کی روشنی چمکتی ہے۔ اس طرح اس کے ذہن پر چھائے ہوئے اندھیرے میں بھی تیز روشنی ہی چمکی اور اہستہ آہستہ اس کے ذہن پر موجود اندھیرے سبز تے نیلے گئے۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کے ساتھ ہی اس کا شعور بھی بیدار ہو گیا۔ شعور بیدار ہوتے ہی اسے پہلا احساس یہی ہوا کہ اس کا جسم نیچے کی طرف لٹکا ہوا ہے اور اس کے دونوں بازو اس کے سر کے اوپر ہیں اور بازوؤں پر بے پناہ زور پڑ رہا ہے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور دوسرے لمحے ساری صورت حال اس پر واضح ہو گئی۔ اس کے دونوں بازو اس کے سر کے اوپر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور بے ہوشی کی وجہ سے اس کا جسم نیچے کی طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو سنبھالا پھر وہ اپنے پیردوں پر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کے بازوؤں پر پڑا ہوا بوجھ ختم ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی کلائیوں میں ہونے والی تکلیف بھی ختم ہو گئی۔ اس نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا

عمران سے مخاطب ہو کر انتہائی کراخت لہجے میں کہا۔

علی عمران۔ میرا نام تو کر نل احمد جان ہے عمران نے مطمئن سے لہجے میں کہا۔

ہم نے دارالحکومت سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ جہاد اعلیٰ تو ویسے بھی ہمارے پاس پہلے سے موجود تھا اور جہادِ انام بھی۔ جہادِ انام علی عمران سے اور تم سیکرٹ ایجنٹ بھی ہو اور اوسر یہ جو کھڑا ہوا ہے اس کا نام نائیک ہے اور یہ دارالحکومت کا مشہور بد معاشر ہے۔ کر نل آفتاب کو تو ہم پہلے سے ہی جانتے ہیں اور یہ چار آوی قیطانہ و نور سناڑ گروپ ہے جنہوں نے دارالحکومت میں ہمارے آدمیوں کا خاتمہ کیا ہے۔ سردار خان نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

تم نے ہمیں کیسے بے ہوش کیا ہے۔ تجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ تم نے ایسے جدید انتظامات کر رکھے ہوں گے۔ عمران نے کہا۔

جہاد کیا خیال تھا کہ ہم احمق ہیں۔ اگر ہم اس قدر بڑی خفیہ اسلحہ فیکٹری آٹھ سال سے چلا سکتے ہیں تو ہم نے اپنی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کیا ہو گا۔ یہ تو میں ملٹری انٹیلیجنس کی وجہ سے مار کھا گیا اور تم سے ملنے وہاں پہنچ گیا اور پھر تم نے اچانک حملہ کر کے مجھے قابو میں کر لیا۔ ورنہ تو تم ساری عمر بھی سرکھلتے رہتے۔ تب بھی مجھ تک نہ پہنچ سکتے۔ پھر تم سے حماقت ہوئی کہ تم نے اعظم خان کو بلانے کی بات کر دی۔ اعظم خان کے ساتھ سیٹنگ پہلے ہی ہے۔ چنانچہ میں نے تمہیں اس کا جو نمبر بتایا وہ سیشل فون کا نمبر تھا۔ پھر جو باتیں ہوئیں۔

اس میں ایسے کوڈ موجود تھے کہ جسے تم سمجھ ہی نہ سکتے تھے۔ چنانچہ اعظم خان ساری صورت حال سمجھ گیا اور پھر وہ میری کونٹری کے قریب دوسری کونٹری میں پہنچ گیا جہاں انتہائی جدید ترین مشین نصب ہے۔ اس مشین کے ذریعے اس نے ساری کونٹری پتیک بھی کر لی اور ہمارے درمیان ہونے والی بات ہیت بھی سی لی اور غفیہ سسٹم کے تحت بے ہوش کر دینے والی ریفرکٹر کر کے اس نے مجھے اور تم دونوں کو بے ہوش بھی کر دیا۔ سردار خان نے بڑے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ یہ میرے ساتھی یہاں کیسے پہنچ گئے ہیں۔ عمران نے ہوش نہ ہاتے ہوئے پوچھا۔

تم نے میرے بزنس منیجر آدم خان کو انوکھا کیا۔ میرے غیروں نے اس کو بھی کو تلاش کر لیا جس میں آدم خان کی کار موجود تھی۔ پھر سیشل اسکوڈ نے اس کونٹری میں فوری طور پر بے ہوش کر دینے والی گیس فائر کر دی۔ یہ سب لوگ بے ہوش ہو گئے۔ اور سیشل اسکوڈ نے میرے حکم پر ان سب کو وہاں سے اٹھا کر جہاں سیشل سٹریٹس پہنچا دیا ہے۔ اس بار اعظم خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ تو اب تم کیا چاہتے ہو۔ عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

تم سب کو اس لئے ابھی تک ہم نے زندہ رکھا ہوا ہے تاکہ تم سے معلوم کر سکیں کہ تم نے کس کے کہنے پر ہمارے خلاف یہ کام شروع کیا ہے۔ کون ہے تمہارے پیچھے ہمیں اس شخصیت کا نام

او کے اگر تم سر نہابی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ اعظم خان نے پہلے سے زیادہ غصیلے لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے پیچھے کمرے دوڑنے انسپکٹر سے مشین گن تھمپن اور اسے عمران کی طرف سیدھا کر دیا۔ اس کے چہرے پر سخت مسکائی کے تاثرات ابھرائے تھے۔ اگر سردار خان کہے تو میں اسے اصل آدمی کا نام بتا سکتا ہوں۔ اپنا نام عمران نے ڈونٹ سمجھتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے نیچے بتاؤ۔ سردار خان نے ہاتھ اٹھا کر اعظم خان کو نارنگ کرنے سے منع کرتے ہوئے کہا۔

یہ سرداری آدمی ہیں۔ ان کے سامنے سرداری راز افشا نہیں کیا جاتا۔ یہ صرف کئی خلاف ورزی ہو گئی۔ ہم سب بندھے ہوئے ہیں جس میں ہم سے تو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ ان کو باہر بھیج دو پھر میں تمہیں اصل شخصیت کا نام بتا دیتا ہوں۔ عمران نے استہائی تنبیہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

نہیں اعظم خان کے سامنے ہمیں سب کچھ بتانا ہو گا۔ یہ سرداری آدمی ہونے کے ساتھ ساتھ میرا برنس پارٹنر بھی ہے۔ سردار خان نے تیز لہجے میں کہا۔

”پھر ایسا ہے کہ تم میرے قریب آ جاؤ۔ میں تمہیں کان میں بتا دیتا ہوں۔ تاکہ کم از کم مرنے سے پہلے مجھے یہ اطمینان تو ہو گا کہ میں نے طلب کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ڈرو نہیں۔ میں اور میرے ساتھی تو بے بس ہیں۔“ عمران نے کہا۔

چاہئے۔ اعظم خان نے تیز لہجے میں پوچھا۔

اگر میں صدر مملکت کا نام لے دوں تو تم کیا کرو گے۔ عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

ہمیں اصل بات اگونی آتی ہے۔ سبھاں جہادی مدد کو کوئی نہیں آئے گا اور اس کمرے میں بڑے بڑے بہادر بھی گھسٹے نیک دیتے ہیں۔ سمجھو۔ اس لئے جہادی بہتری اسی میں ہے کہ تم ہمارے غضب کو اواز نہ دو۔ وہاں جہادی ایک ایک بڑی توڑی جائے گی۔ اس بار اعظم خان نے استہائی غصیلے لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”سردار خان تو پھر بھی غیر سرکاری آدمی ہے۔ لیکن تم تو نہ کارڈی آدمی ہو اور تم ایک سرکاری ادارے کو اس غیر قانونی اور غیر انسانی کام میں استعمال کر رہے ہو۔ اس لئے سردار خان تو قابل معافی ہو سکتا ہے تم نہیں۔“ عمران کا لہجہ بے حد سرد ہو گیا تھا۔

”تم اس حالت میں بھی مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔ حالانکہ جہادی زندگی میرے ایک اشارے پر منحصر ہے۔ سو مجھے دھمکیاں دینے کی بجائے اصل آدمی کی نشاندہی کر دو۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔“ اعظم خان نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہمیں جہادی اس خفیہ اسلحہ فیکٹری سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہماری فیلڈ ہے۔ ہم تو جہادی فیکٹری میں سے ان افراد کو رہا کرانا چاہتے ہیں جنہیں تم نے پکڑ کر وہاں رکھا ہوا ہے۔“ عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

بھیج دو اسلحے سمیت۔ میں تو تم لوگوں کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو پھر میرے بازو کی معمولی سی جھبش سے سردار خان کی گردن ٹوٹ جائے گی۔ عمران نے فرماتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے بازو کو جھٹکا دیا تو سردار خان کی حالت جھٹلے سے بھی زیادہ غراب ہوتی چلی گئی۔ اس کے منہ سے غرغراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔

تم جیسا کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے بڑے خان کو چھوڑ دو۔
عظم خان نے بو کھلائے ہوئے پیچ میں کہا۔

اپنے آدمیوں کو اسلحہ سمیت باہر بھیج دو اور پھر ہم سے مذاکرات کرو۔ بندی کرو۔ عمران نے اور زیادہ سرد لہجے میں کہا تو عظم خان نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مشین گن انسپکٹر کو دی اور پھر ان آوازوں کو باہر جانے کا کہہ دیا۔ دوسرے لہجے وہ دونوں آدمی کمرے سے باہر نکل گئے۔

اندروں سے کھڑی لگا دو عظم خان۔ تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ یہ دونوں واپس نہ آئیں گے۔ عمران نے تیز لہجے میں کہا تو عظم خان نے بو کھلائے ہوئے انداز میں خود ہی مڑ کر دروازے کو اندر سے لاک کر دیا۔

”اباؤ اور مجھ سے سردار خان کو لے لو۔“ بے ہوش ہونے والا ہے گرجائے گا۔ عمران نے کہا اور عظم خان ہوشوں کی طرح گھوم کر نیویں سے عمران کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ عمران نے بازوؤں میں

مجھے کہہ رہے ہو۔ سردار خان کو۔ میں تم سے ڈروں گا۔ تم بندھے ہوئے نہ بھی ہوتے تب بھی سردار خان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے۔ سردار خان نے استغاثی غصیلے لہجے میں کہا اور تیزی سے عمران کی طرف بڑھنے لگا۔ عمران کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھائی میں موجود کڑوں کے بنوں پر موجود تھیں۔ جیسے ہی سردار خان قریب آیا۔ دو بار ہلکی سی کلک کی آوازیں ابھریں اور دوسرے لمحے سردار خان جھپٹتا ہوا عمران کے سینے سے جا لگا تھا۔ عمران کا ایک بازو اس کی گردن کے گرد اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر کے گرد بٹھا ہوا تھا۔

”خبردار اگر کسی نے حرکت کی تو سردار خان کی گردن ایک لمحے میں ٹوٹ جائے گی۔“ عمران کی طرانی ہوئی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ یہ سب کچھ اس قدر تیز رفتاری سے ہو گیا تھا کہ عظم خان اور اس کے دو ساتھی صرف چلیکیں جھپکاتے رہ گئے۔ اب کمرے میں سردار خان کی گھنٹی گھنٹی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا آنکھیں ابل کر قدرے باہر کو نکل آئی تھیں۔ اس نے اصل میں جھٹکا دے کر اپنے آپ کو چڑوانے کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں عمران کے اس بازو کی گرفت جو اس کی گردن کے گرد تھا زیادہ سخت ہو گئی تھی۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو چھوڑ دو اسے چھوڑ دو۔“ یکتا عظم خان نے بو کھلائے ہوئے انداز میں پتختے ہوئے کہا۔
”صرف اس صورت میں چھوڑ سکتا ہوں کہ تم اپنے آدمیوں کو باہر

جلدی کر داپنے سارے ساتھیوں کو آزاد کرو۔۔۔ عمران نے کہا
 "اپس مڑ کر وہ فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے اعظم خان کی طرف
 بھاگا۔ اس نے اس کی ہونٹوں پر ہاتھ کی جیبوں کی تلاشی لینا شروع کر دی اور
 بالکل اچھا لگا۔ وہ اس کی جیب سے بھاری سرکاری ریو اور برآمد کرنے
 کی کامیاب ہو گیا۔ یہ کہ وہ ساؤنڈ پروف تھا۔ اس لئے اسے اس بات کی
 کوئی فکر نہ تھی کہ اعظم خان کے حلق سے ٹھنڈے والی بیج باہر سنی گئی ہوگی۔

تم۔ تم اجنبی حیات الگہ ادبی ہو۔ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ
 یہ طرح بھی جوڈیشن بدلی جاسکتی ہے۔ کرنل آفتاب نے کہا۔

کرنل صاحب مسئلہ جوڈیشن بدلنے کا نہیں ہے۔ یہ پولیس کا سٹر
 ہے۔ اور اعظم خان پولیس چیف ہے۔ باہر اس کے باور دی آدمی موجود
 ہے۔ اور چونکہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ اس لئے میں انہیں ہلاک بھی نہیں
 سکتا اور وہ لوگ ہمیں باہر بھی نہ جانے دیں گے۔ اس لئے اب
 میں فوری طور پر فوج کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے کالونی کمانڈر کو
 یہ عمران نے ہونٹ چبائے ہوئے پوچھا۔

کرنل رستم ملزنی کمانڈر ہے۔ کرنل آفتاب نے جواب دیا۔
 کہیں وہ بھی تو ان لوگوں سے ملایا جائے گا۔ اعظم خان کی وجہ
 سے اب کسی پر اعتبار نہیں رہا۔۔۔ عمران نے کہا۔

نہیں جناب وہ انتہائی محب وطن آدمی ہیں۔ کرنل آفتاب
 نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ان کا فون نمبر معلوم ہے آپ کو؟" عمران نے پوچھا۔

سنجھالے ہوئے سردار خان کو ایک زوردار جھٹکا دے کر اعظم خان پر
 اچھال دیا۔ بھاری بھر کم سردار خان توپ کے گولے کی طرح سیو
 اعظم خان سے ٹکرایا اور وہ دونوں ہی چپچپے ہوئے نیچے گرے۔ عمران
 سردار خان کو اچھال کر بجلی کی سی تیزی سے اپنے پیروں پر جھکا۔ پیروں
 میں بھی بن دالے کڑے موجود تھے اور پھر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ
 نیچے گر کر اٹھتے۔ عمران پیروں میں موجود کڑوں سے نجات حاصل کر
 چکا تھا۔ اعظم خان نے نیچے گرتے ہی تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی اور
 اس کا جسم آدھے سے زیادہ اٹھ چکا تھا کہ عمران اس کے سر پر چھو گیا۔

جب کہ سردار خان کو اس نے جھٹکا دے کر آگے کی طرف دھکی
 ہوئے اس کی گردن کے گرد موجود بازو کو اس طرح حرکت دی تھی کہ
 سردار خان کے حلق سے صرف ایک بیج ہی نکل سکی تھی اور نیچے گرنے
 کے بعد وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑا گیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ
 اعظم خان پوری طرح اٹھ کر کھڑے ہونے میں کامیاب ہوتا۔ عمران
 اس کے سر پر چھو گیا۔ دوسرے لمحے اعظم خان کے حلق سے ٹھنڈے والی بیج
 سے کمرہ گونج اٹھا۔ اعظم خان عمران کی لالت کھا کر ایک بار پھر نیچے گرا
 ہی تھا کہ عمران نے ایک اور ضرب لگا دی اور اس کے ساتھ ہی اعظم
 خان کا جسم ایک جھٹکا کھا کر ساکت ہو گیا۔ وہ بھی سردار خان کی طرح
 بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے بے ہوش ہوتے ہی عمران تیزی سے اپنے
 ساتھ بندھے ہوئے چوہان کی طرف بھاگا۔ اس نے اس کے دونوں بازو
 آزاد کر دیئے۔

خان اور پولیس چیف اعظم خان کے خلاف کام کر رہے تھے کہ اعظم خان نے پولیس فورس کی مدد سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو پولیس کے سپیشل سنٹر میں قید کر دیا۔ وہ ہمیں خفیہ طور پر ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم نے پوچش بدل دی ہے اور سردار خان اور اعظم خان دونوں ہمارے سامنے بے ہوش چرے ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ ہم پولیس کے سپیشل سیل میں ہیں اس لئے باہر پولیس کی نفری موجود ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ہلاک کر کے بھی یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ لیکن سرکاری افراد کو میں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ آپ ایسا کریں کہ ملٹی فورس کے ساتھ فوراً پولیس کے سپیشل سیل پہنچ جائیں۔ ہم جہاں ایک سافٹ وئیر پروف کرے میں موجود ہیں۔ اس کمرے کے بارے میں آپ کو جہاں کے نمٹے سے معلوم ہو جائے گا۔ عمران نے اس بار اپنے اصل لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

سیکرٹ سرورس اور جہاں پولیس سپیشل سنٹر میں۔ لیکن مجھے تو بتایا گیا تھا کہ پولیس چیف اعظم خان مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف سے انتہائی حریت ہجرے لہجے میں کہا گیا۔

ہاں آپ سے بات کرنے کے لئے ایسا کہنا ضروری تھا۔ آپ بتائیں کہ آپ میرے کہنے کے مطابق کام کرنے کے لئے تیار ہیں یا دارالحکومت سے آپ کو ہدایات چاہئیں۔ عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

لیکن میں پولیس کے خلاف کیسے کام کر سکتا ہوں۔۔۔۔۔ دوسری

جی ہاں وہ میرے دوست ہیں۔ میری ان سے اکثر بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ کرنل آفتاب نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے فون نمبر بھی بتا دیا۔ عمران تیزی سے ایک کونے میں رکھے ہوئے فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے رسیور اٹھالیا۔

یہیں سر۔۔۔ اس کے رسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف سے ایک مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

ملٹی کمانڈر رسم سے میری بات کرنا۔ نمبر جانتے ہو اور کا۔ عمران نے اعظم خان کے لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

یہیں سر۔۔۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

سنوٹ از سیکرٹ۔ اس لئے تنک کر اگر تم نے اپنے آپ کو نشانہ کر دینا ہے تجھے۔ عمران نے اعظم خان کے ہی لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

یہیں سر۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور عمران نے رسیور رکھ دیا۔ بعد ازاں بعد گھنٹی بج اٹھی تو عمران نے رسیور اٹھالیا۔

کرنل رسم صاحب سے بات کریں جتاپ۔۔۔ دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

ہیلو کرنل رسم بول رہا ہوں ملٹی کمانڈر۔۔۔۔۔ چند لمحوں بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔

کرنل رسم میرا نام علی عمران ہے اور میرا تعلق سیکرٹ سرورس سے ہے۔ ایک کیس کے سلسلے میں ہم جہاں کے بڑے خان سردار

کر رہا تھا کیا۔

”ہیں“ عمران نے گول مول سے کہنے میں کہا۔

”کر نل رستم بول رہا ہوں۔ پولیس سپیشل سنٹر سے میں نے یہاں کا کنٹرول سنبھال لیا ہے۔ مجھے اس بلیک روم کے بارے میں بھی معلوم ہو گیا ہے۔ لیکن اس کا دروازہ اندر سے بند ہے اور چونکہ وہ سائنڈ پروف کر رہا ہے اس لئے باہر سے بھی کوئی آواز اندر نہیں آ سکتی اس لئے میں آپ کو فون پر کال کر رہا ہوں آپ دروازہ کھول کر باہر آ جائیں۔ دوسری طرف سے کر نل رستم کی آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہے“ عمران نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

”کر نل رستم خاصا ذہین آدمی ہے۔ ورنہ خام آدمی اس انداز میں نہیں سوچتا۔“ عمران نے رسیور رکھ کر کر نل آفتاب سے مخاطب ہو کر کہا۔

”وہ ملزئی انٹیلی جنس میں کافی غرصہ رہا ہے۔“ کر نل آفتاب نے جواب دیا تو عمران نے اشتباہ میں سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے آگے بڑھ کر دروازے کا لاک کھول کر اس کے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ دوسرے لمحے ایک لمبے قد اور بھاری جسم کا کر نل اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے چار مسلح فوجی بھی تھے۔

”مجھے علی عمران کہتے ہیں۔“ عمران نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں کر نل رستم ہوں عمران صاحب۔“ مجھے افسوس ہے کہ میں

طرف سے بچھڑاتے ہوئے لمحے میں کہا گیا تو کر نل آفتاب نے ہاتھ بڑھا کر عمران کے ہاتھ سے رسیور لے لیا۔

”ہیلو میں کر نل رستاز آفتاب احمد بول رہا ہوں۔“ کر نل آفتاب نے تیز لہجے میں کہا۔

”اوہ کر نل آفتاب آپ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ کیا آپ بھی ان سیکرٹ سروس والوں کے ساتھ ہیں۔“ کر نل رستم نے کہا۔

”کر نل صاحب۔ عمران صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے یہ پولیس چیف اعظم خان اور سردار خان دونوں بہت بڑے مجرم ہیں آپ فوراً انہیں پکڑ جائیں۔“ کر نل آفتاب نے کہا۔

”ٹھیک ہے مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔ لیکن یہ سپیشل سنٹر ہے کہاں۔“ دوسری طرف سے پوچھا گیا تو کر نل آفتاب نے اسے بتے بنا دیا۔

”میں آ رہا ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور کر نل آفتاب نے بغیر کوئی مزید بات کہنے رسیور رکھ دیا۔

”عمران صاحب اس فیکٹری کو ملزئی کے ذریعے ہی کور کیا جاسکتا ہے ویسے نہیں۔“ کر نل آفتاب نے کہا۔

”ہاں اب میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ بہر حال کر نل رستم آ جائے پھر مزید بات ہوگی۔“ عمران نے جواب دیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد ملزئی فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی تو عمران نے آگے بڑھ

نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا تو عمران نے مختصر طور پر اسے اسلئے بیانے والی اس خفیہ فیکٹری اور وہاں موجود افراد کے بارے میں تفصیل بتادی۔

حیرت ہے کہ اس غیر قانونی دھندے میں پولیس چیف بھی خود ملوث ہے۔ مجھے اعلیٰ حکام کو اس بارے میں اطلاع دینی ہوگی۔ کرنل رستم نے کہا۔

کن اعلیٰ حکام کی بات کر رہے ہیں آپ۔۔۔ عمران نے چونک کر پوچھا۔

ملزئی حکام کو۔۔۔ کرنل رستم نے جواب دیا۔

بہلے ہم نے اس فیکٹری پر قبضہ کرنا ہے۔ وہاں پر موجود افراد کو اس غیر قانونی قیدیت رہائی دلائی ہے۔ اس کے بعد حکام کو اطلاع دی جائے گی پہلے نہیں۔ ورنہ سردار خان خاصا باثر آدمی ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہو جائے گا۔۔۔ عمران نے کہا۔

عمران صاحب آپ اپنے طور پر درست کہہ رہے ہوں گے لیکن میں اپنی جگہ پر مجبور ہوں۔ سردار خان یہاں واقعی بے حد باثر آدمی ہے اور پھر اعظم خان پولیس چیف ہے۔ اس لئے ان کے خلاف کوئی بھی کارروائی میں اپنے سربر نہیں کر سکتا۔ مجھے بہر حال اعلیٰ حکام کو نہ صرف اطلاع دینی ہوگی بلکہ ان سے باقاعدہ اجازت لینی ہوگی۔۔۔ کرنل رستم نے جواب دیا۔

آپ ایک کام کریں۔۔۔ عمران نے ہونٹ جباتے ہوئے کہا۔

بہلے آپ کو نہ پہچان سکا تھا۔ لیکن بعد میں مجھے یاد آگیا کہ آپ کا نام تو ملزئی انٹیلی جنس میں بطور مثال استعمال ہوتا ہے۔ اللہ آپ سے ملاقات آج پہلی بار ہو رہی ہے۔ کرنل رستم نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

آپ نے جس ذہانت کا فون پر کال کی تھی۔ اس سے مجھے بھی آپ کی ذہانت کا اندازہ ہو گیا تھا اور کرنل آفتاب صاحب نے بتایا ہے کہ آپ ملزئی انٹیلی جنس میں رہے ہیں۔ عمران نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

لیکن یہ چکر کیا ہے۔ سری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آئی۔۔۔ کرنل رستم نے فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے سردار خان اور اعظم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اب آپ سے تفصیلی بات ہو سکتی ہے۔ آپ ایسا کریں کہ ان دونوں کو ساتھ لے لیں۔ ان کے سامنے کہیں جینہ کر تفصیلی بات ہوگی۔ عمران نے کہا تو کرنل رستم نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے فوجیوں کو ہدایات دینا شروع کر دیں اور پھر تھوڑی دیر بعد عمران اپنے ساتھیوں سمیت فوجی چھاؤنی کے اندر رہنے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں موجود تھا۔ پولیس چیف اعظم خان اور سردار خان کو بھی یہاں لا کر ایک اور کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا

اب آپ مجھے بتائیں کہ یہ سب کیا سلسلہ ہے۔۔۔ کرنل رستم

کون سا۔ کرنل رستم نے چونک کر کہا۔

آپ کی وجہ سے پولیس کے آدمی موت سے بچ گئے ہیں۔ بس اسکا ہی کافی ہے۔ اب آپ اس سارے معاملے سے لائق ہو جائیں۔ ہم جانیں اور یہ لوگ۔ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

نہیں عمران صاحب اب میں اس معاملے سے کیسے لائق ہو سکتا ہوں۔ کرنل رستم نے کہا۔

اد کے مجھے فون دیجئے۔ میں خود بات کرتا ہوں۔ عمران نے کہا۔

کس سے بات کریں گے آپ۔ کرنل رستم نے چونک کر پوچھا۔

سیکرٹری وزارت خارجہ سر سلطان سے۔ عمران نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے۔ آپ ان سے بات کر لیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اہتمامی ذمہ دار آفیسر ہیں۔ کرنل رستم نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے کے ساتھ کھڑے ہوئے مسلح فوجی کو کارڈ پولیس فون لے آنے کا حکم دے دیا۔ تھوڑی دیر بعد فون پیس لے آیا گیا۔

عمران نے فون پیس کرنل رستم سے لیا اور اس نے دارالحکومت کا گورڈ نمبر بریس کر کے سر سلطان کے نمبر پر ریس کر دیئے۔

پیس پی اے ٹو سیکرٹری خارجہ۔ رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے سر سلطان کے پی اے کی آواز سنائی دی۔

عمران بول رہا ہوں سر سلطان سے بات کراؤ۔ عمران نے اجنبی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

پیس سر۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

سلطان بول رہا ہوں۔ چند لمحوں بعد سر سلطان کی آواز سنائی دی۔

سر سلطان میں اس وقت راکوش میں موجود ہوں یہاں ایک سلسلے میں مجھے ملٹری کمانڈر کرنل رستم سے امداد حاصل کرنی پڑی ہے لیکن اگلے مزید کام کے سلسلے میں کرنل رستم صاحب اپنے اعلیٰ حکام کو تفصیل بتا کر ہدایات لینے کے خواہش مند ہیں جب کہ میں کام مکمل ہونے تک ایسا نہیں چاہتا۔ اس لئے آپ ایسا کریں کہ ماؤشین بریگیڈ کے جنرل اسفند خان کو فون کر کے کہہ دیں کہ وہ کرنل رستم کو ہدایات دے دیں۔ عمران نے اجنبی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے میں ابھی کہہ دیتا ہوں۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور عمران نے شکریہ ادا کر کے فون آف کر دیا۔

آپ۔ آپ جنرل اسفند خان سے واقف ہیں۔ کرنل رستم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

ابھی آپ کو کال آجائے گی۔ پھر مجھے بھی علم ہو جائے گا کہ میں تو ان سے واقف ہوں وہ بھی مجھ سے واقف ہیں یا نہیں۔ عمران نے گول مول سا جواب دیتے ہوئے کہا اور پھر تقریباً دس منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک باوردی فوجی ہاتھ میں سرخ رنگ کا فون

کہ اس ضابطے کی پابندی نہ ہونے کے جگر میں بچہ جیسا آدمی در بدر
چلے کھاتا پھیر رہا ہے۔ اگر ضابطے کی پابندی بچہ سے ہو سکتی تو اب تک
ایسی سرے قصیدے گاتے پھر رہتے۔ عمران کی زبان
رواں ہو گئی تو دوسری طرف جنرل اسفند بے اختیار ہنس پڑے۔
”نھیک ہے میں اب عورت حال سمجھ گیا ہوں رسیور کرنل رستم
کو دے دو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”اے یہ ترقی یافتہ دور کالہیہ ہی ہے کہ اب رستم کو تلوار دینے کی
پانے رسیور دینے جانے کی بات کی جاتی ہے۔“ عمران نے
مسکراتے ہوئے کہا اور رسیور کرنل رستم کی طرف بڑھا دیا جو اس
طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمران کو دیکھ رہا تھا جیسے عمران کے سر پر
ابانک سینک نکل آئے ہوں۔ شاید اس کے ذہن کے کسی دور درواز
گٹھے میں بھی یہ تصور نہ تھا کہ عمران جنرل اسفند خان جیسے انتہائی
رکھ رکھا والے افسر کے ساتھ اس طرح بے تکلفانہ انداز میں بھی
گفتگو کر سکتا ہے۔

”میں سر کرنل رستم بول رہا ہوں سر۔“ کرنل رستم نے رسیور
لینے ہی انتہائی مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”کرنل رستم عمران صاحب پاکیشیا کے انتہائی ذمہ دار آدمی ہیں۔
نچ سے بھی زیادہ سمجھیں۔ اس لئے ان کے احکامات کی تعمیل بالکل اسی
طرح ہونی چاہئے جس طرح میرے احکامات کی تعمیل ہو سکتی ہے۔
کچھ گئے ہو یا مزید کسی اور لہجے میں سمجھاؤں۔“ جنرل اسفند خان کی

اٹھائے تیزی سے اندر داخل ہوا۔

”جنرل صاحب کا فون ہے سر۔“ اس نے انتہائی مؤدبانہ لہجے
میں کہا اور رسیور کرنل رستم کی طرف بڑھا دیا۔
”میں کرنل رستم بول رہا ہوں جناب۔“ کرنل رستم نے
انتہائی مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”کرنل رستم کیا علی عمران صاحب آپ کے پاس موجود ہیں۔“
دوسری طرف سے جنرل اسفند کی بھاری اور انتہائی رعب دار آواز سنائی
دی۔

”میں سر۔۔۔۔۔ کرنل رستم نے جواب دیا۔

”انہیں رسیور دیں۔“ دوسری طرف سے انتہائی حکیمانہ لہجے
میں کہا گیا تو کرنل رستم نے رسیور عمران کی طرف بڑھا دیا۔
”ہیلو علی عمران۔ ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بڈ بان خوش
آپ جیسے مرد درویش سے مخاطب ہونے کی جرأت کر رہا ہے۔“ عمران
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ کیا سلسلہ ہے عمران سر سلطان نے مجھے بتایا ہے کہ کرنل
رستم تم سے تعاون نہیں کر رہا۔ کیا تم نے اس سے اپنا تعارف کرایا
تھا۔۔۔۔۔ جنرل اسفند خان کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ غصے کی
تھلک نمایاں تھی۔

”اے اے یہ بات نہیں۔ کرنل رستم تو پورا تعاون کر رہے
ہیں۔ لیکن وہ اپنے ضابطوں سے مجبور ہیں جب کہ آپ کو تو معلوم ہے

کہا۔

”اوہ اگر ایسی بات ہے تو پھر“ کرنل رستم نے ہونٹ ہلاتے

ہوئے کہا۔

”اس کے لئے ہمیں باقاعدہ پلاننگ بنانی پڑے گی۔ میرا خیال ہے

کہ ہم اٹھم خان اور سردار خان کے میک اپ میں اپنے آدمیوں کو

ساتھ لے کر وہاں جائیں۔“ عمران نے کہا۔

”نھیک ہے۔“ جیسے آپ پلان کریں میری اور فوج کی خدمات حاضر

ہیں کرنل رستم نے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلادیا۔ اس

کے چہرے پر گہرے تفکر کے تاثرات نمودار ہو گئے تھے۔

تیز آواز رسور سے نکل کر عمران کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔

”میں سمجھ گیا ہوں سر۔ اب آپ کو کوئی شکایت نہ ہوگی سر۔“

کرنل رستم نے جواب دیا تو دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو گیا۔ کرنل

رستم نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے رسور فوجی کے ہاتھ میں دے

دیا جو فون اٹھائے کھڑا تھا اور فوجی رسور کریڈل پر رکھ کر تیزی سے

واپس مڑ گیا۔

”میں معذرت خواہ ہوں عمران صاحب کہ آپ کو میری وجہ سے یہ

ساری کارروائی کرنی پڑی۔“ کرنل رستم نے قدرے شرمندہ سے

لہجے میں کہا۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ مجھے جہاری فرض شامی پسند آتی

ہے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو کرنل رستم کے

چہرے پر گہرے اطمینان کے تاثرات ابھرائے۔

”اب آپ حکم دیں آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔“ کرنل رستم

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اس فیکٹری تک اس طرح پہنچنا ہے کہ

وہاں موجود افراد کو آخری لمحے تک یہ شب نہ ہو سکے کہ ہم غیر ہیں۔ ورنہ

وہ فیکٹری میں موجود افراد کو ہلاک بھی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے وہاں

انتہائی حفاظتی اقدامات کر رکھے ہیں بقول ان کے پوری فوج بھی وہاں

قبضہ نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ انہوں نے وہاں انٹی ایئر کرافٹ گنیں تک

فٹ کر رکھی ہیں۔“ عمران نے سنجیدہ لہجے میں بات کرتے ہوئے

اصلی فیکٹری اس وقت شدید خطرے میں ہے اور دوسری طرف
کہا گیا۔

کیا کہہ رہے ہو اعظم خان اور بڑے خان کو بے ہوشی کے عالم میں
جھاؤنی لے آیا گیا ہے کیا مطلب اور فیکٹری کیسے خطرے میں ہے۔
تفصیل سے بات کرو اور۔۔۔ محبت خان نے حلق کے بل پینچنے
پونے کہا۔

میں تفصیل بتاتا ہوں اسی لئے تو میں نے جان پر کھیل کر کہیں
کال کیا ہے۔ دارالحکومت سے ایک گروپ جس کا تعلق سیکرٹ
سروس سے ہے یہاں رالوش پہنچا ہے۔ انہوں نے بڑے خان کو پکڑ
لیا۔ یکن اعظم خان کو محاصرہ ہو گیا۔ انہوں نے فوری کارروائی کرتے
رونے اس گروپ کو پکڑ دیا اور ان سے مزید پوچھ گچھ کے لئے اسے
پولیس سپیشل سنٹر میں پہنچا دیا گیا۔ اعظم خان اور بڑے خان وہاں ان
سے پوچھ گچھ کے لئے پہنچے لیکن وہاں اس گروپ کے سرغنہ جس کا نام
غلی عمران ہے۔ اس نے ان دونوں کو بے ہوش کر دیا اور کسی طرح
کنٹرل رستم کو فون کر دیا۔ کنٹرل رستم نے ملڑی کے آدمیوں کے
ساتھ پولیس سپیشل سنٹر پر چھاپہ مارا اور وہاں سے اس گروپ کے
آدمیوں کے ساتھ ساتھ اعظم خان اور بڑے خان کو بے ہوشی کے عالم
میں نکال کر یہاں جھاؤنی لے آئے ہیں۔ پھر اس عمران نے
دارالحکومت کال کیا۔ وہاں سے جنرل اسفند خان نے کنٹرل رستم کو
حکم دیا ہے کہ وہ اس عمران کے احکامات کی اس طرح تعمیل کرے

مزید موجود خصوصی ساخت کے ٹرانسمیٹر سے اچانک نوں نوں کی
تیز آوازیں نکلنے لگیں تو میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا ہوا نوجوان بے اختیار
چونک پڑا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر ٹرانسمیٹر کا بٹن آن کر دیا۔
"ہیلو ہیلو وہاب کالنگ اور۔۔۔ ٹرانسمیٹر کا بٹن دبے ہی ایک
بھاری سی آواز سنائی دی تو نوجوان اور زیادہ چونک پڑا۔
"میں محبت خان بول رہا ہوں وہاب۔ کیسے کال کی ہے اور۔۔۔
نوجوان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

محبت خان میں فوجی جھاؤنی سے بول رہا ہوں۔ اعظم خان اور
بڑے خان کو بے ہوشی کے عالم میں یہاں لایا گیا ہے میں نے جب
انہیں اس حالت میں دیکھا تو میں بے حد پریشان ہوا۔ میں نے
فوری طور پر ایسے انتظامات کئے کہ مجھے اصل صورت حال کا علم ہو سکے
اور جب مجھے حالات کا علم ہوا تو میں اور زیادہ پریشان ہو گیا ہوں۔

رہا۔ اس کے بعد وہ حالات کو خود ہی سمجھال لیں گے اور نہ محبت خان نے کہا۔

میری ڈیوٹی تھوڑی دیر بعد ختم ہو جائے گی۔ پھر میں کیسے ٹرانسمیٹر استعمال کر سکوں گا۔ ویسے بھی فوج کا دستہ ساتھ ہوگا۔ اس لئے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ تم ایسا کرو کہ خود اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے اہل جاؤ۔ اگر کوئی آدمی ہاتھ نہ لگ سکا تو کوئی ثبوت نہ ملے گا۔ پھر بڑا خان خود ہی سمجھال لے گا۔ اب یہی ہو سکتا ہے۔ آگے تمہاری مرضی پر انعام اطلاع دینی تھی دے دی۔ اور اینڈ آف..... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ محبت خان نے جلدی سے ٹرانسمیٹر آف کیا اور پھر میز پر رکھی ہوئی ہاتھ سے بجانے والی گھنٹی پر زور زور سے ہاتھ مارنے لگا۔ دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک مسخ نو جوان اندر داخل ہوا۔

”زیر کو بلاؤ جلدی فوراً۔“ محبت خان نے کہا اور نو جوان سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔ محبت خان کے ہونٹ جھنجھے ہوئے تھے۔ اس کے ہجرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ بے چینی سے کرسی پر بار بار ہاتھ مل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک درمیانی عمر کا آدمی اندر داخل ہوا۔

”کیا بات ہے خان۔ بہت پریشان لگ رہے ہو.....“ آنے والے نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”یہ تھوڑا دیر۔ ہمارے لئے ایک پریشان کن اطلاع ہے.....“ محبت

جیسے جنرل اسفند کی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس عمران نے کرنل رستم سے مل کر فیکٹری پر قبضہ کرنے کی جو پلاننگ بنائی ہے۔ وہ انتہائی خطرناک ہے۔ اس کے مطابق عمران اپنے دو آدمیوں پر اعظم خان اور بڑے خان کا میک اپ کرے گا اور پھر اعظم خان اور بڑے خان ان لوگوں کو ساتھ لے کر فیکٹری پہنچیں گے اور اس کے بعد یہ گروپ وہاں قبضہ کرے گا۔ انہوں نے اس پلاننگ پر عمل شروع کر دیا ہے۔ وہ اس وقت اعظم خان اور بڑے خان کو ہوش میں لا کر ان سے فیکٹری کے بارے میں پوری تفصیلات معلوم کر رہے ہیں۔ کچھ یقین ہے کہ یہ آج ہی فیکٹری پہنچ جائیں گے اور فوج بھی ان کے ساتھ ہوگی اذور..... وہاب نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ یہ تو واقعی انتہائی خطرناک بات ہے۔ لیکن کیا تم اعظم خان اور بڑے خان کو وہاں سے کسی طرح رہائی نہیں دلا سکتے اور.....“ محبت خان نے انتہائی تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں میری پوزیشن کے مطابق ایسا ممکن نہیں ہے ویسے بھی کرنل رستم کی وجہ سے وہاں انتہائی سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں تم کسی طرح فیکٹری کو ان لوگوں سے بچاؤ۔ بعد میں جو ہوگا ویسا جائے گا اور.....“ وہاب نے تیز لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تم ایسا کرو کہ جب یہ لوگ چھاؤنی سے یہاں کے لئے چل پڑیں تو مجھے ایک بار پھر کال کر دینا۔ میں ان کا خاتمہ رستے میں ہی کر ادوں گا اور تم کو شش کر کے اعظم خان اور بڑے خان کو چھاؤنی سے فرار کرا

کر نل رستم کو احکامات دے دیتے ہیں اور میں کر نل رستم کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ اب بھوت کی طرح اس فیکٹری کے پیچھے لگ جانے کا ہم کب تک اور کہاں تک فوج کو روک سکیں گے۔ زبیر نے اجتنائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”جہادی بات درست ہے لیکن انہیں یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ ہمارے پاس ان کی آمد کے بارے میں اطلاع موجود ہے۔ اس لئے وہ غفلت میں مار کھا جائیں گے اور ہم کسی بھی پہاڑی سے ان کی جیسوں پر ناز کھول کر ان کا قاتلہ کر دیں گے۔“ محبت خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن ان کی موت کے بعد باقی فوج کو کون سنبھالے گا۔ وہ تو پورے راکوش پہاڑی سلسلے پر قیامت برپا کر دیں گے۔ ہم کب تک لڑیں گے۔“ زبیر نے جواب دیا۔

”پھر جہاد راکوش خیال ہے۔ ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے۔“ محبت خان نے کہا۔

”ایسی صورت حال میں صرف ایک کام ہو سکتا ہے کہ یہاں موجود فیکٹری۔ اسلحہ۔ بارود اور لیبر کو نکال کر پوائنٹ ٹو پرنٹ کر دو۔ بڑی بڑی تمام مشینیں بھی اکٹھا کر لے جاؤ۔ فیکٹری والی جگہ کو یکسر خالی کر دو۔ اگر وہ لوگ یہاں آئیں گے تو یہاں کچھ بھی انہیں نہ ملے گا۔ زیادہ سے زیادہ خالی شیز زبوں گے۔ وہ ان کا کیا کریں گے۔ اب وہ پورے پہاڑی علاقے میں تو ہمیں تلاش کرنے سے رہے۔ اور ثبوت نہ ملنے پر

خان نے کہا تو زبیر مزید دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

”پریشان کن اطلاع کیا مطلب۔“ زبیر کے لہجے میں شدید حیرت ابھرتی تھی۔ محبت خان نے اسے وہ تفصیل بتادی جو ٹرانسمیٹر پر اسے وہاں سے دی تھی۔ تو زبیر کے چہرے پر بھی شدید پریشانی کے تاثرات ابھرائے۔

”اودہ واقعی۔ یہ تو انتہائی خطرناک بات ہے۔“ سیکرٹ سروس تو انتہائی خطرناک تنظیم ہوتی ہے۔“ زبیر نے پریشان سے لہجے میں کہا۔ ”میں انہیں دلتے میں ہی کہیں ختم کرانا چاہتا ہوں اور اسی لئے میں نے تمہیں بلوایا ہے۔“ محبت خان نے زبیر سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”ان کی تعداد کتنی ہوگی۔“ زبیر نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ زیادہ سے زیادہ دس افراد ہوں گے۔“ محبت خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن وہاں نے تو بتایا ہے کہ فوج کا دست ساتھ ہوگا۔“ زبیر نے کہا۔

”ہاں بتایا تو ہے لیکن پھر کیا کیا جائے۔ اسے بھی تو ساتھ ہی ختم کرانا ہوگا۔“..... محبت خان نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

”دیکھو محبت خان اس معاملے کو اتنا آسان نہ لو۔ بلکہ اس پر پوری سنجیدگی سے غور کرو۔ تم نے جو تفصیلات بتائی ہیں اس کے مطابق بڑے خان اور اعظم خان دونوں ملٹری چھاونی میں قید ہیں۔ فوج کے اعلیٰ حکام اس عمران کے ساتھ دے رہے ہیں۔ جنرل اسفند نے بھی

جائیں گے۔" زبیر نے جواب دیا۔

۔ ٹھیک ہے تم جاؤ میں کام شروع کر دیتا ہوں۔ چار گھنٹے تو میں نے زیادہ سے زیادہ کیے ہیں میں کو شش کروں گا کہ پوری قوت سے کام کر اگر کام دو تین گھنٹوں میں ہی مکمل ہو جائے اور انہیں راکوش سے روانہ ہونے کے بعد کریانائی پہنچتے پہنچتے بہر حال دو گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے اس طرح ہم انہیں مکمل طور پر ڈاج دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" محبت خان نے کہا۔

۔ خیال رکھنا شفٹنگ اس طرح کرنا کہ کوئی کلو وہاں تک نہ پہنچے ورنہ یہ سیکرٹ سروس والے ماہر کھوجیوں کی طرح تمہارے سر پر بھی پہنچ سکتے ہیں۔" زبیر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔
 "اس بات کی تم فکر مت کرو۔ میں معمولی سا ٹکیو بھی نہ چھوڑوں گا۔" محبت خان نے جواب دیا تو زبیر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھرا آئے تھے۔

فوج خود ہی بڑے خان کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس کے بعد بڑے خان کا پلہ ویسے ہی بھاری ہو جائے گا اور فوج بھی یہی سمجھے گی کہ سیکرٹ سروس کی اطلاع غلط ہے۔" زبیر نے جواب دیتے ہوئے کہا تو محبت خان بے اختیار اچھل پڑا۔

۔ اداہ گڈ تم نے واقعی بہترین ترکیب بتائی ہے۔ اگر ہمیں وقت مل جائے تو ہم لوہے کے بے ہونے ان شیز کو بھی کھول کر لے جاسکتے ہیں سہاں صرف جنگل ہی جنگل رہ جائے گا۔ فیکٹری بعد میں بھی بنائی جاسکتی ہے۔" محبت خان نے کہا تو زبیر کی آنکھوں میں بھی ہلکے ابھرائی۔

۔ تمہیں کتنا وقت چاہیے۔ ان لوہے کے شیز کو کھولنے اور پوائنٹ ٹوپر پہنچانے کے لئے۔" زبیر نے کہا۔
 "اگر ابھی سے فوری کام شروع کر دیا جائے تو چار گھنٹے تو بہر حال لگ ہی جائیں گے۔" محبت خان نے جواب دیا۔

۔ ٹھیک ہے میں دس محافظوں کو لے کر کریانائی پہاڑی پر پہنچ جاتا ہوں۔ یہ لوگ ہر صورت میں وہاں سے گزریں گے۔ سپیشل ٹرانسمیٹر ساتھ لے جاؤں گا۔ تم فوری طور پر کام شروع کر دو۔ اگر یہ لوگ شفٹنگ سے پہلے کریانائی پہنچ گئے تو پھر میں ان پر فائر کھول کر انہیں اٹھا لوں گا۔ لیکن اگر تم پہلے مکمل شفٹنگ کر لو تو مجھے کال کر دینا میں ساتھیوں سمیت خاموشی سے پوائنٹ ٹوپر پہنچ جاؤں گا۔ پھر وہ جس طرح چاہیں نگر میں مارتے پھریں۔ خود ہی ناکام ہو کر واپس لوٹ

کوئی فون استعمال نہ کرتا تھا اور نہ کوئی ٹرانسمیٹر۔ بلکہ جب بھی اعظم خان اور سردار خان کو وہاں جانا ہوتا تھا وہ سرنگ کے دہانے پر پہنچ کر رہتا اور سے چہ ہوائی فائر کرتے تھے۔ یہ چہ فائر اس بات کی نشانی داتی تھی کہ سرنگ کے دہانے پر اعظم خان یا سردار خان یا دونوں موجود ہیں کیونکہ اس جنگل میں رہتا اور کی فائرنگ کی آوازیں دور دور تک گونجتی تھیں اس لئے نسام پہاڑی کی دوسری طرف وادی میں موجود فیکٹری کے لوگ بھی اسے سن لیتے تھے۔ پھر پہاڑی کے اوپر بنے ہونے مورچوں سے دور بین کی مدد سے انہیں چٹیک کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد سرنگ کا دہانہ اندر سے کھول دیا جاتا تھا اور محبت خان خود آکر انہیں اندر لے جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اور رابطہ کی کوئی صورت نہ تھی اس بات کو سامنے رکھ کر عمران نے فیکٹری میں داخل ہونے کی پلاننگ بنائی تھی اور وہاں کو سردار خان اور نعمانی کو اعظم خان کا روپ دے دیا تھا۔ ضروری اسلحہ انہوں نے ساتھ لے لیا تھا۔ ایسے عمران نے ملزری کے خصوصی سنورز سے انتہائی زود اثر بے ہوش کر دینے والی وسیع رینج گیس کے مخصوص کیپول بھی حاصل کر لئے تھے اور عمران کا پردہ گرام ہی تھا کہ فیکٹری میں پہنچتے ہی اعظم خان ارد گرد پہاڑیوں پر موجود حفاظتی مورچوں سے بھی سب کو وہیں فیکٹری میں ہی بلا لے گا۔ اس کے بعد یہ گیس اچانک فائر کر دی جائے گی۔ اس طرح ہر شخص پر آسانی سے قابو پایا جاسکے گا۔ جب سب پر قابو پایا جائے گا پھر کر نل رستم خصوصی ٹرانسمیٹر پر فوج کو وہاں کال کر لے گا اور فوج کی

پہاڑی سڑک پر وہ بڑی جیسپیں تیز رفتاری سے آگے بڑھی چلی جا رہی تھیں۔ سڑک خاصی تنگ تھی۔ لیکن اس کے باوجود دونوں جیسپیں خاصی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ سب سے آگے والی جیسپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر کر نل آفتاب تھا جب کہ اس کی سائیڈ سیٹ پر چوہان بیٹھا ہوا تھا جو بڑے خان کے میک اپ میں تھا۔ عقبی سیٹ پر نعمانی اعظم خان کے روپ میں اور اس سے عقبی سیٹوں پر عمران اور کر نل رستم بیٹھے ہوئے تھے۔ کر نل رستم اس وقت عام ڈریس میں تھا جب کہ دوسری جیسپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر ٹائیگر تھا۔ سائیڈ سیٹ پر خاور اور عقبی سیٹ پر صدیقی بیٹھا ہوا تھا۔ جیسپ کے پچھلے حصے میں سیاہ رنگ کے دو بڑے بڑے تھیلے پڑے ہوئے تھے۔ عمران نے اعظم خان اور سردار خان دونوں سے جو پوچھ گچھ کی تھی۔ اس کے مطابق فیکٹری کا فل انچارج ایک نوجوان محبت خان تھا۔ وہاں رابطہ کے لئے نہ ہی

پر بیٹھا اچھل رہا ہوں کہ قہاری شکل انہیں دور سے نظر آ جائے۔
عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور کرنل رستم سمیت جیپ میں
موجود سب افراد بے اختیار ہنس پڑے۔

عمران صاحب اس فیکٹری کے بارے میں آپ کو اطلاع کیے ملی
جب کہ ہم یہاں رہتے ہیں ہمیں تو آج تک اس بارے میں علم نہیں ہو
سکا۔ کرنل رستم نے کہا۔

مجھے تو یہی اطلاع ملی تھی کہ سردار خان کی راکوش پہاڑیوں میں
بہت سی فیکٹریاں ہیں۔ لیکن یہاں اگر آدم خان سے معلوم ہوا کہ ایک
بی فیکٹری ہے۔ عمران نے جواب دیا۔

وہ سکتا ہے عمران صاحب کہ آدم خان کو اس فیکٹری کے بارے
میں ہی علم ہو۔ دوسری فیکٹریوں کے بارے میں علم نہ ہو۔ اس
بارہ افظم خان کے روپ میں پہنچے ہوئے نعمانی نے بات کرتے ہوئے
کہا۔

نہیں میں نے سردار خان اور افظم خان سے پوچھ گچھ کی ہے۔ ان
کی یہی ایک اسلحہ فیکٹری ہے۔ اسلحہ پاکیشیا میں فروخت کرنے کی
بجائے ہمسایہ ملک بہادرستان میں منسلک کر دیتے ہیں وہاں سے انہیں
اچھی خاصی رقم مل جاتی ہے۔ جہاں تک بچوں کے اغوا کا تعلق ہے۔ یہ
بچوں کو باقاعدہ دوسرے ممالک میں فروخت کرنے کا دھندہ کرتے ہیں
اور یہ کام بھی بہادرستان کے راستے ہی ہوتا ہے۔ عمران نے
انتہائی سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

مدد سے وہاں موجود اعظم خان اور سردار خان کے آدمیوں کو گرفتار کر
لیا جائے گا اور یہ گار میں پکڑے ہوئے افراد کو فوج کی مدد سے وہاں سے
نکل کر راکوش پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے بعد اعظم خان اور سردار خان
کے خلاف اسلحہ فیکٹری بنانے اور لوگوں کو اغوا کر کے ان سے یہ گار
لینے کے جرم میں باقاعدہ مقدمہ قائم کر کے انہیں جیل بھجوا دیا جائے گا
اس پلاننگ کے باوجود عمران نے انتہائی جدید ترین اسلحے سے بھرتے
ہوئے دو بڑے تھیلے دوسری جیپ میں رکھوا دیئے تھے کیونکہ کسی قسم
کے حالات بھی پیش آ سکتے تھے۔ دونوں جیسوس تیز رفتاری سے آگے
بڑھی چلی جا رہی تھیں۔

اس راکوش درے تک پہنچنے میں ہمیں مزید کتنی درگاہ جانی
گی۔ عمران نے ذرا تیوٹنگ سیٹ پر موجود کرنل آفتاب سے
مخاطب ہو کر کہا۔

کافی لمبا سفر ہے عمران صاحب ابھی ہمیں چھاؤنی سے چلے ہوئے
ایک گھنٹہ گزرا ہے۔ ابھی کم از کم دو گھنٹوں کا مزید سفر موجود
ہے۔ کرنل آفتاب نے جواب دیا اور عمران نے اثبات میں سر ہلا
دیا۔

عمران صاحب ہو سکتا ہے کہ راستے میں بھی ان لوگوں نے کوئی
مورچہ وغیرہ بنا رکھا ہو ایسے حالات میں ہم پر چانک فائر بھی کھولا جا
سکتا ہے۔ سائیڈ سیٹ پر بیٹھے ہوئے چوہان نے کہا۔
نہیں اسی لئے تو سائیڈ سیٹ پر بیٹھایا ہے اور خود میں عقبی سیٹ

ہانگیر نے کہا تو وہ سب ہونک کر اس طرف دیکھنے لگے۔ جو عمر انگریز کی نظروں بنی ہوئی تھیں اور واقعی ایک بہت بڑی پہاڑی پٹان کے درمیان بنی ہوئی سرنگ کا دہانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ سرنگ قدرتی تھی۔ انسانی ہاتھوں کی بنی ہوئی نہ تھی۔

ہاں یہ واقعی سرنگ کا ہی دہانہ ہے۔ عمران نے کہا اور تیزی سے اس دہانے کی طرف بڑھ گیا۔

تھیلے ساتھ لے لو۔ دوسکتا ہے ہمارے لئے کوئی خاص جال بچھایا گیا ہو۔ عمران نے دہانے پر رکتے ہوئے مڑ کر اپنے ساتھیوں سے کہا اور پھر وہ سرنگ کے اندر داخل ہو گیا۔ لیکن یہ طویل سرنگ خالی تھی اور اس سرنگ کے دوسرے دہانے سے ہلکی سی روشنی نظر آ رہی تھی اس سرنگ کو کراس کر کے تھوڑی دیر بعد وہ دوسری طرف واڈی میں پہنچ گئے۔ لیکن یہاں دور دور تک جنگل اور چھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہاں نہ کوئی فیکٹری تھی نہ کوئی مشین اور نہ کوئی آدمی۔

یہی مطلب یہ فیکٹری کہاں چلی گئی..... عمران کے لئے میں بے حد حیرت تھی۔

میرا خیال ہے عمران صاحب آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ یہاں سرے سے کوئی فیکٹری ہی نہ تھی..... کرنل رستم نے منہ بنا تے ہوئے کہا۔

”نہیں کرنل رستم یہاں فیکٹری بہر حال موجود تھی۔ تم ہوا میں بارود کی ہلکی سی بو محسوس نہیں کر رہے۔ ویسے اس کے نشانات آگے

”اتہائی غیر انسانی وحشہ ہے۔ بنائے یہ لوگ اس قسم کا کردہ وحشہ کیسے کرتے ہیں۔ کرنل رستم نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ اس فیکٹری پر قبضہ ہو جائے۔ پھر اس اعظم خان اور سردار خان سے ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا جنہیں یہ بچے فروخت کرتے ہیں اور سری کو شش ہوگی کہ ایک ایک بچے کو واپس لایا جائے۔ چاہے وہ کہیں بھی موجود ہو۔ عمران نے کہا اور سب نے اس طرح اثبات میں سر ملائے جیسے وہ عمران کی بات سے پوری طرح متفق ہوں۔ پھر اس طرح کی مختلف باتوں میں سفر کتنا چلا گیا۔

”اب ہم دوسرے کے قریب پہنچنے والے ہیں۔“ اچانک کرنل آفتاب نے کہا تو سب یکجہت چو کنا ہو کر بیٹھ گئے۔

”تم دونوں نے فطری انداز میں اوکاری کرنی ہے صحیح ہے۔ انہیں تم پر معمولی سا شک بھی نہیں ہونا چاہیے۔“ عمران نے چوہان اور نعمانی سے مخاطب ہو کر کہا اور ان دونوں نے اثبات میں سر ملا دیے۔ تھوڑی دیر بعد کرنل آفتاب نے جیب کو مڑک سے اتارا اور ایک طرف روک دیا۔

”یہ نسام پہاڑی ہے سلسلے..... کرنل آفتاب نے آہستہ سے کہا اور پھر وہ سب ایک ایک کر کے نیچے اتر آئے۔ ان کے عقب میں دوسری جیب بھی رک گئی تھی اور اس میں موجود افراد بھی نیچے اتر آئے تھے۔

”ارے یہ کیا۔ یہ سرنگ کا دہانہ تو کھلا ہوا ہے۔“..... اچانک

کر دی ہوگی۔ تاکہ سرے سے کوئی ثبوت ہی باقی نہ رہے۔ اب سردار خان اور اعظم خان کی گرفتاری کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہا۔ کرنل آفتاب نے کہا۔

ہاں یقیناً ایسا ہی ہو گا اور سردار خان بے حد باختر آوی ہے۔ اب وہ اپنی گرفتاری پر اس پورے علاقے میں قیامت برپا کر دے گا۔ کرنل رستم نے پریشان سے لبے میں کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ مغربی جہادی جھڑنی سے ہوتی ہے۔

عمران نے کہا تو کرنل رستم بے اختیار چونک پڑا۔

میری جھڑنی سے وہ کیسے۔ کرنل رستم نے حیرت بھرے لبے میں کہا۔

جہاں جو آثار میں نے دیکھے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں یہاں سے گئے زیادہ سے زیادہ دو یا تین گھنٹے گزرے ہیں اور اتنا ہی وقت ہمیں جھڑنی سے نکلے ہوئے گزرا ہے۔ عمران نے کہا۔

لیکن مغربی کیسے ہوتی، وہی جب کہ یہاں کسی قسم کا رابطہ ہی نہیں ہو سکتا۔ کرنل رستم نے کہا۔

سردار خان اور اعظم خان نے تو یہی بات کہی ہے اور ان کے لبے بتا رہے تھے کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے رابطے نہ ہوں۔ لیکن اس خبر کا یہاں کے انچارج سے بہر حال رابطہ موجود تھا۔ عمران نے کہا اور اس بار اس کے ساتھیوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔

چل کر واضح طور پر مل بھی جائیں گے۔ عمران نے کہا اور آگے بڑھ گیا اور پھر تھوڑا سا آگے جانے کے بعد انہیں ایسے نشانات واضح طور پر نظر آگئے کہ وہاں واقعی کوئی اسلحہ فیکٹری موجود تھی۔ کیونکہ مسلح ہوتی جھاڑیوں کے علاوہ زمین میں لوہے کے ایسے بڑے بڑے راز بھی نظر آ رہے تھے جن کے ساتھ شیڈز لگے جاتے ہیں۔ بھاری مشینری کی فٹنگ کے آثار بھی نظر آ رہے تھے اور کہیں کہیں تھوڑا بہت بارود بھی موجود تھا لیکن اس وقت وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پوری فیکٹری ہی وہاں سے شفٹ کر دی گئی ہو۔

ادھر ادھر پھیل جاؤ۔ ان لوگوں کو یقیناً ہماری آمد کی اطلاع مل گئی ہے اور انہوں نے ابتدائی حیرت انگیز طور پر یہاں سے سالم فیکٹری ہی غائب کر دی ہے۔ عمران نے کہا اور پھر سارے ساتھی تیزی سے ادھر ادھر پھیلنے چلے گئے۔ لیکن تقریباً ایک گھنٹے کی ابتدائی محنت جینگنگ کے باوجود کوئی ایسا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے جس سے وہ اس جگہ تک پہنچ سکتے جہاں فیکٹری کو لے جایا گیا تھا۔

مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب اس فیکٹری کا سراغ لگانا مشکل ہے۔ اچانک کرنل آفتاب نے کہا وہ سب ایک بار پھر اکٹھے ہو چکے تھے۔

کیسے یقین ہوا ہے۔ عمران نے کہا۔

مجھے یقین ہے کہ جیسے ہی سردار خان اور اعظم خان کی گرفتاری کی خبر ان لوگوں تک پہنچی ہوگی۔ انہوں نے فیکٹری یہاں سے غائب

اب واپس جانا ہو گا۔ اب اس سردار خان اور اعظم خان سے ہی معلوم ہو سکے گا کہ فیکٹری کو اس طرح شفٹ کرنے کے بعد وہ کہاں لے جاسکتے ہیں۔ عمران نے کہا اور واپس سرنگ کے دہانے کی طرف مڑ گیا۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے تاثرات نمایاں تھے تھوڑی دیر بعد وہ سب ایک بار پھر جیسوں پر سوار واپس چھاؤنی کی طرف جا رہے تھے لیکن اب ان سب کے چہرے سے ہونے والے تھے۔ خاص طور پر عمران کی حالت دیکھنے والی تھی۔ کیونکہ ایک لحاظ سے اس کا سارا مشن ہی یکسر ناکام ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی فراخ پیشانی پر شکنوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔ دونوں جیسوں خاصی تیز رفتاری سے آگے بڑھی چلی جا رہی تھیں کہ اچانک انہیں دور سے کسی کے چھپنے کی آواز سنائی دی۔ یہ انسانی چیخ تھی۔ آواز سڑک کی سائیڈ پر موجود ایک اونچی پہاڑی کی چوٹی سے آرہی تھی۔

”رک جاؤ۔ خدا کے لئے رک جاؤ۔“ اچانک وہی انسانی آواز سنائی دی اور عمران نے کرنل آفتاب کو جیپ روکنے کے لئے کہہ دیا۔ چند لمحوں بعد دونوں جیسوں ایک سائیڈ پر رک گئیں اور عمران کے ساتھ باقی ساتھی تیزی سے نیچے اترے۔ لیکن اب کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی اور نہ ہی کوئی انسان نظر آ رہا تھا۔

”مائیکر اور صدیقی اوپر جا کر چیک کرو جلدی کرو۔“ عمران نے کہا اور مائیکر اور صدیقی دونوں تیزی سے دوڑتے ہوئے اس پہاڑی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

ایک بڑی اور وسیع ہال مناخار میں اس وقت تین سو کے قریب انسان کھبے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے۔ جن میں سے زیادہ تعداد بارہ سے انوارہ بیس سال کے لڑکوں کی تھی۔ جب کہ باقی نوجوان تھے۔ وہ سب جسمانی طور پر پُر خاشاچے ہی نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر شدید خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ سب کھبے ہوئے بیٹھے تھے۔ غار کا دہانہ باہر سے بڑی پتھان سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس دہانے کے قریب ہی ایک نوجوان آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی عمر کے دو اور آدمی بھی موجود تھے۔

”یہ ہمیں اس طرح اچانک یہاں کیوں لایا گیا ہے مراد۔“ ایک آدمی نے اس نوجوان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”میں نے جو کچھ سنا ہے اس کے مطابق فیکٹری پر فوج کے چھاپے کا خطرہ تھا اس لئے محبت خان نے وہاں سے فیکٹری ہی شفٹ کر دی

ہے۔ اس آدمی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ایک بار پہلے بھی ہمیں یہاں لایا گیا تھا اور ہمیں تین روز تک مجبوراً رکھا گیا تھا۔ اب بھی یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اب تو ہماری حالت پہلے سے زیادہ خستہ ہو رہی ہے۔ اب تو ہم زندہ نہ بچ سکیں گے۔ تیرے آدمی نے کہا۔“

”اب ہم کون سے زندہ ہیں الطاف۔ ہماری حالت تو مردوں سے بھی بدتر ہے۔ اس سے تو موت آنے تو زیادہ اچھا ہے۔“ مراد نے اجنبی مایوسانہ لہجے میں کہا اور باقی افراد نے اثبات میں سر ہلا دیے۔ اسی لمحے ہالنے پر موجود چٹان ہنسنے کی آواز سنائی دی تو وہ سب کیفیت مزید کسم سے گئے۔ دوسرے لمحے دھماکے سے دو آدمی اندر آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مشین گن اور دوسرے کے ہاتھ میں خوفناک گوزا تھا۔

”سنو تم میں سے کسی کی آواز غار سے باہر گئی تو اس کی ہڈیاں توڑ دی جائیں گی۔“ کوڑے بھجے۔ کوڑے بردار نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کوڑے کو ہوا میں چٹختاتے ہوئے کہا اور غار میں موجود سب افراد نے میکائیکی انداز میں اثبات میں سر ہلا دیے۔

”باہر کچھ بھی ہو جائے۔ کسی ہی آوازیں ہمیں سنائی دیں۔ لیکن جہارے حلق سے معمولی سی آواز بھی نہیں نکلی چلائے۔ سن لیا تم نے۔“ کوڑے بردار نے ایک بار پھر کوڑے کو چٹختاتے ہوئے کہہ کر اٹھنے میں کہا اور ایک بار پھر سب نے پہلے کی طرح میکائیکی انداز

میں سر ہلا دیے اور پھر وہ دونوں واپس مڑ کر غار سے باہر چلے گئے۔ بالکل سی گڑگڑاہٹ کی آواز ابھری اور دہانہ چٹان سامنے آنے کی وجہ سے بند ہو گیا۔

”ہمیں فوج تک ضرور کسی نہ کسی طرح پیغام پہنچانا چاہئے۔“ اور نہ۔“ اچانک مراد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا لیکن فقرہ ادھورا چھوڑ کر دو خاموش ہو گیا۔

”کیسے۔ جہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا۔“ ساتھ بیٹھنے ہوئے الطاف نے حیرت بھرتے لہجے میں کہا۔

”پتہ نہیں۔ اچانک کیوں یہ بات خود بخود میرے ذہن میں آگئی ہے۔ لیکن ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ اوگ حد درجہ ظالم ہیں اور ان کے آدمی باہر یقیناً موجود ہوں گے۔“ مراد نے کہا۔

”جہاری بات نے مجھے بھی سوچنے پر مجبور کر دیا ہے مراد۔ اس بے بسی کی زندگی سے تو بہتر ہے کہ آدمی مر ہی جائے۔“..... الطاف نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہے تو ایسا لیکن۔“ مراد نے بڑے بے بسی سے لہجے میں کہا۔

”میں دم کا مرضی ہوں مراد۔ اس لئے بھاگ نہیں سکتا۔ جب کہ تم بہر حال مجھ سے زیادہ صحت مند ہو۔ اگر تم ہمت کرو تو ہو سکتا ہے کہ قسمت ہم پر مہربان ہو جائے۔“..... الطاف نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

جنان کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے وہاں پر پڑے ہوئے ایک بڑے سے بھر کو اٹھایا جس کی ایک سائڈ پر نوک تھی۔ اس نے یہ نوک وہاں سے اور چٹان کے درمیان دفن میں پھنسنائی اور پھر اسے پوری قوت سے سائڈ میں دبا دیا۔ اس کے ایسا کرتے ہی ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور چٹان تھوڑا سا پیچھے کی طرف ہٹ گئی۔

نکل جاؤ۔ وہاں اس سے زیادہ نہ کھل سکے گا۔ خدا اچھاری حفاظت کرے گا۔ الطاف نے بھینچے بھینچے بجے میں کہا تو مراد کسی تپیلکی کی طرح ریگستا ہوا اس سوراخ میں سے گھس کر باہر نکل گیا۔ باہر اونچی اونچی تھانیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں مراد پہلے تو سانس روکے وہیں بڑا اصرار دیکھتا رہا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ تھانویں کی آڑ لیتا ہوا آگے کی طرف ریگستا چلا گیا۔ اسے وہ راستہ معلوم تھا جس رستے سے انہیں جہاں تک لایا گیا تھا۔ وہ مسلسل ریگستا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ انہیں قید کرنے والے شاید ان کی طرف سے پوری طرح مطمئن تھے۔ اس لئے انہوں نے جہاں پہرے کی طرف توجہ نہ دی تھی۔ کافی دور آنے کے بعد مراد اٹھا اور پھر اس نے بے تحاشا انداز میں دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ جسمانی طور پر وہ خاصا کمزور تھا اس لئے جلد ہی ہانپنے لگا۔ تو اس نے تیز دوڑنا بند کر دیا۔ وہ اسی رستے پر جا رہا تھا جہاں سے انہیں لایا گیا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ وہاں پہنچ گیا جہاں پہلے فیکٹری تھی لیکن وہ جگہ خالی تھی۔ وہ سرنگ سے ہوتا ہوا باہر سڑک پر آیا تو اسے دو جیپیں جاتی ہوئی دکھائی دیں لیکن دونوں جیپیں سڑک کا

لیکن کسی طرح چٹان کی وجہ سے راستہ تو بند ہے۔ مراد نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ اگر تم کہو تو میں اس چٹان کو اس حد تک کھول سکتا ہوں کہ تم باہر نکل جاؤ۔ الطاف نے کہا تو مراد چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور غار میں موجود سب افراد چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ تم تیار ہو۔ سوچ لو اگر تم ان کے ہاتھ آگئے تو پھر جہاد کی ایک بھی ہڈی سلامت نہ رہے گی۔ الطاف نے کہا۔

میں تیار ہوں الطاف۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے مجھے موت ہی کیوں نہ آجائے میں بہر حال جہاں سے ضرور نکلوں گا۔ موت تو جہاں بھی آجی جائے گی۔ مراد نے بڑے اعتماد بھرتے لہجے میں کہا۔

ایک اور دھند بھی کر دو کہ تم صرف اپنی ذات کو نہیں بچاؤ گے بلکہ ہمیں بچانے کے لئے بھی کام کرو گے۔ الطاف نے کہا تو مراد نے فوراً ہی وعدہ کر لیا۔

سنو مراد فرار ہو رہا ہے تاکہ فوج کی مدد حاصل کر کے ہم سب کو ان دھندوں کے چنگل سے چھڑوائے۔ اول تو مراد کی عدم موجودگی کا کسی کو علم نہ ہو سکے گا۔ لیکن اگر ہو جائے تو تم میں سے کسی نے نہیں بتانا کہ اسے کس نے فرار کرایا ہے۔..... الطاف نے غار میں موجود سب افراد سے مخاطب ہو کر کہا تو سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

آؤ میرے ساتھ۔..... الطاف نے کہا اور غار کے دہانے پر موجود

موزمر کر اس کی نظروں سے غائب ہو گئیں۔

”اوه ان جیسوں کو روکنا چاہئے۔ ان کی مدد سے میں شہر پہنچ سکتا ہوں۔ ورنہ اگر ان لوگوں کو میرے فرار کا علم ہو گیا تو وہ پورے راکوش میں اپنے آدمیوں کو اطلاع کر دیں گے اور پھر میں کسی چوہے کی طرح پکڑا جاؤں گا۔“ مراد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے تیزی سے پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ کافی بلندی پر پہنچ کر وہ اپنی پوری قوت سے دوڑنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ پہاڑی مرکز گھوم کر اس پہاڑی کی دوسری طرف سے ہی گزرتی ہے اس نے جیسیں جھک کر اس طرف ہی آئیں گی۔ اس لئے اسے امید تھی کہ وہ بہر حال ان جیسوں کے دہان تک پہنچنے تک پہاڑی کے اس طرف پہنچ جائے میں کامیاب ہو جائے گا اور وہی ہوا تھوڑی دیر بعد وہ جب پہاڑی کی دوسری طرف پہنچا تو اس نے دونوں جیسوں کو تیزی سے آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں روکنے کے لئے دوڑنا چاہا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کا ہر ایک پتان سے پھسلا اور اس کے حلق سے خود بخود ایک تیز چیخ نکل گئی۔ لیکن شکر ہے کہ وہ گہرائی میں نہ گرا تھا اور فوراً ہی سنبھل گیا تھا۔ لیکن جب تک وہ سنبھلتا جیسوں دہان سے گزر گئی تھیں۔

”رک جاؤ خدا کے لئے رک جاؤ۔“ مراد نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اپنی پوری قوت سے چھتے ہوئے کہا اور پھر اس کا دل بلیوں اچھل پڑا جب اس نے ان دونوں جیسوں کو رکتے ہوئے دیکھا۔

وہ تیزی سے نیچے اترنے ہی لگا تھا کہ یقیناً وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ کیونکہ جیسوں سے اترنے والے افراد میں سے اس نے بڑے خان اور اعظم خان کو بھی اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

”اوه خدا یا یہ میں نے کیا کر دیا۔ یہ تو بڑے درد سے ہیں۔“ مراد نے استغاثی خوفزدہ لہجے میں کہا اور تیزی سے دوڑتا ہوا قریب ہی ایک غار میں جا کر چھپ گیا۔ اس کا دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ بھاڑ کر باہر آجائے گا خوف کی وجہ سے اس کی آنکھیں باہر کو ابلی آتی تھیں لیکن یہاں معاملہ ایسا تھا کہ وہ بھاگ نہ سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بڑے خان کے ساتھی لامحالہ اسے تلاش کریں گے اور اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو بہر حال وہ انہیں نظر آجائے گا۔ جب کہ اس غار میں چھپ کر شاید وہ انہیں نظر نہ آئے اور وہ اسے تلاش کرنے میں ناکام رہ کر واپس چلے جائیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے غار سے باہر دو آدمیوں کے قدموں کی آوازیں سنیں تو وہ بے اختیار اہم کر غار کی دیوار سے چپٹ گیا۔

”تم جو کوئی بھی ہو باہر آ جاؤ۔ ورنہ ہم غار میں ہم بھینک دیں گے۔“..... باہر سے ایک جھنجھٹی ہوئی آواز سنائی دی۔

”مم۔ مم۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔“..... مراد نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا اور غار سے باہر آکر وہ زمین پر اوندھے منہ لیٹ سا گیا۔

”کون ہو تم۔“..... ان میں سے ایک نے جھک کر اس کا بازو پکڑ

ہوئے اعظم خان اور بڑا خان صاف دکھائی دینے لگے اور اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ کسی بھی صورت میں عبرت ناک موت سے نہیں بچ سکتا تو خوف کی شدت سے اس کا ذہن یکفخت تار یکہ ہوتا چلا گیا۔ وہ خوف کی انتہائی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

کر اسے اٹھاتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں کہا۔
 ”مم۔ مم۔ مجھے چھوڑ دو۔ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ مجھے چھوڑ دو میں تو بڑے خان کا غلام ہوں۔ مجھے چھوڑ دو۔ معاف کر دو۔“ مراد نے ہڈیانی انداز میں کہا۔ اس کا ذہن خوف کی شدت سے واقعی ماؤف سا ہو کر رہ گیا تھا۔

”اوہ تو تم بڑے خان سے ڈر رہے ہو۔ کیا تمہارا تعلق اسلحہ فیکٹری سے تھا۔۔۔۔۔۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

”ہاں ہاں مجھے معاف کر دو۔ مجھے چھوڑ دو میں مرجاؤں گا۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔“ مراد نے گھگھکیاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”گھبراؤ نہیں ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں دوست ہیں آؤ ہمارے ساتھ۔“ ایک آدمی نے کہا۔

”مم۔ مم مگر اعظم خان اور بڑا خان۔ وہ۔ وہ تو میری بوئیاں اڑا دیں گے۔“ مراد نے چپختے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں کہیں گے وہ تمہیں آؤ ہمارے ساتھ۔“ دوسرے آدمی نے کہا اور اس نے اس کا دوسرا بازو پکڑ لیا۔

”نہیں نہیں وہ مجھے مار ڈالیں گے وہ میری بوئیاں اڑا دیں گے مجھ پر رحم کرو۔“ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو مجھے چھوڑ دو۔“ مراد نے

لاشعوری طور پر ان کی گرفت میں مچلتے ہوئے اور روتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ دونوں اسے دونوں بازوؤں سے پکڑے پہاڑی سے نیچے لے گئے اب مراد کو سڑک پر موجود دونوں جیسے اور ان کے سامنے کھڑے

دیا۔

اس کی حالت تو بے حد غراب ہے۔ اوہ اوہ یقیناً اس کا تعلق اسلحہ فیکٹری سے ہوگا۔ اس کے لباس پر بارود کے نشانات موجود ہیں۔ عمران نے اس پر جھٹکے ڈنکے کہا اور پھر اس نے اس آدمی کا منہ اور ناک دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا۔ جلد لمحوں بعد جب اس کے جسم میں حرکت کے تاثرات نمودار ہوئے تو عمران اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”جیب سے پانی کی بوتل نکالو۔“ عمران نے ٹانگیر سے کہا اور ٹانگیر جیب کی طرف بڑھ گیا۔ اس آدمی نے جلد لمحوں بعد آنکھیں کھول دیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر ایک بار پھر اہتائی خوف کے تاثرات ابھرائے۔

”م۔ م۔ م۔ مجھے مت مارو۔ مجھے معاف کر دو۔“ ہمیں جہارے خدا کا واسطہ مجھے مت مارو۔“ اس آدمی نے ہوش میں آتے ہی بھلی کی سی تیزی سے اٹھ کر چوہان کے جو بڑا خان بنا ہوا تھا پیر پکڑ لئے۔ اس کی حالت اس قدر خست ہو رہی تھی کہ عمران کے ساتھ ساتھ باقی سب لوگوں کے چہرے پر شدید افسوس کے تاثرات ابھرائے تھے۔

”ہم دوست ہیں۔ ڈرو نہیں۔ ہم جہیں کچھ نہیں کہیں گے۔“ عمران نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے اہتائی نرم لہجے میں کہا اسی لمحے ٹانگیر نے پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھادی۔

”پانی پی لو۔ جہاری حالت سنبھل جائے گی۔ حوصلہ کرو تم دوستوں میں ہو دشمنوں میں نہیں ہو۔“ عمران نے اس کی پشت کو

”یہ کسے اس طرح اٹھانے لئے آ رہے ہیں کون ہے یہ۔“ عمران نے اوپر دیکھتے ہوئے حریت بھرے لہجے میں کہا۔ کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ ٹانگیر اور صدیقی ایک آدمی کے دونوں بازو پکڑتے اسے ایک لحاظ سے اٹھائے نیچے آ رہے تھے اور وہ ان کی گرفت میں بری طرح چل رہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ نیچے سڑک تک پہنچتے اس آدمی کا جسم بغلت ڈھیلا پڑ گیا اور ٹانگیر نے اسے اٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ یقیناً بے ہوش ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ٹانگیر اسے اٹھائے نیچے سڑک پر پہنچ گیا۔

”کون ہے یہ۔“ عمران نے پوچھا۔

”یہ ایک غار میں چھپا ہوا تھا۔ اہتائی خوفزدہ ہے۔ کہہ رہا ہے کہ اعظم خان اور بڑا خان اسے عبرتاک موت ماریں گے۔“ صدیقی نے کہا اور اسی لمحے ٹانگیر نے اسے کاندھے سے اتار کر نیچے سڑک پر لٹا

تھپتھپاتے ہوئے کہا تو وہ آدمی پہلے تو پھنی پھنی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا جیسے اسے عمران کی بات پر یقین نہ آ رہا ہو۔ ٹائیگر کی دی ہوئی پانی کی بوتل اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ لیکن بوتل اس طرح لرز رہی تھی جیسے وہ ریشہ کار نہیں ہو۔

”تمہارا نام کیا ہے۔ اپنے متعلق تفصیل بتاؤ۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ لیکن پوری طرح یاد نہیں آ رہا۔“..... عمران نے بڑے دوستانہ لہجے میں کہا۔

”مم۔ مم مجھے معاف کر دو۔ بڑے خان مجھے معاف کر دو۔ میں اب نہیں بھاگوں گا۔ مجھے معاف کر دو۔“ اچانک اس آدمی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پانی کی بوتل پھینکی اور ایک بار پھر چوہان کے قدموں پر گر گیا۔

”ارے ارے۔ میں بڑا خان نہیں ہوں۔ گھبراؤ نہیں۔“ چوہان نے جلدی سے جھٹک کر اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

”حد سے زیادہ خوفزدہ ہے یہ شخص۔“..... کرنل رستم نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

”یہ ظالم اور سفاک لوگ قلم بھی ایسے توڑتے ہیں کہ آدمی مستقل طور پر خوف کا مریض بن جاتا ہے۔ ویسے اس کے بڑے خان کو پہچان لینے کا مطلب یہی ہے کہ میرا اندازہ درست ہے کہ اس کا تعلق اس اسلحہ فیکٹری سے ہی ہے۔“..... عمران نے کہا۔

”بب بب بڑے خان نہیں ہو۔ کیا۔ کیا مطلب۔“..... اس آدمی

کے لہجے میں خوف کی شدت کے ساتھ ساتھ حیرت کا منہر نمایاں تھا۔ وہ اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چوہان اور نعمانی کو دیکھ رہا تھا۔

”دیکھو تمہیں میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ تم دشمنوں میں نہیں دوستوں میں ہو۔“ جنہیں تم بڑا خان اور اعظم خان سمجھ رہے ہو۔ یہ

دراصل وہ نہیں ہیں۔ یہ ان کے میک اپ میں ہیں اور یہ کرنل رستم ہیں۔ راکوش کے ملٹری کمانڈر اور ہمارا تعلق دارالحکومت سے ہے۔

تمہارے لباس پر موجود بارود کے واضح نشانات سے مجھے یہی اندازہ ہوا ہے کہ تمہارا تعلق اس خفیہ اسلحہ فیکٹری سے رہا ہے اور اب تم جس

طرح بڑے خان اور اعظم خان سے خوفزدہ ہو رہے ہو۔ اس سے بھی جی ثابت ہوتا ہے۔ ہم اس فیکٹری چلانے والوں کو گرفتار کرنے اور

وہاں قید افراد کو ان کی قید سے چھڑوانے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن جس جگہ فیکٹری تھی وہاں سے اب فیکٹری غائب کر دی گئی ہے۔ اس لئے ہم

واپس جا رہے تھے کہ تمہاری آواز سن کر رک گئے۔ اس لئے تم پوری طرح ہوش میں آؤ اور اگر تمہارا تعلق واقعی اس فیکٹری سے ہے تو ہمیں

بتاؤ کہ اب وہ کہاں ہے اور تم کہاں سے آئے ہو اور کس طرح آئے ہو۔“..... عمران نے اسے نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ اوہ تو۔ تو۔ یہ بات ہے۔ وہ۔ وہ تمہاری وجہ سے فیکٹری اکھاڑ کر لے گئے ہیں۔ اوہ خدایا۔ تیرا شکر ہے۔ تو نے مجھے بچا لیا۔“ اس

آدمی نے کہا اور دوسرے لہجے وہ سڑک پر ہی سجدے میں گر گیا۔

”اب اسے پانی دو ٹائیگر اب یہ کچھ سنبھل گیا ہے۔“..... عمران نے

کی بات ہے کہ فیکٹری کے انچارج محبت خان نے فیکٹری اکھاڑنے کا حکم دیا اور پھر وہ سب کچھ لے کر کچھ دور ایک پہاڑی میں پہنچ گئے جہاں بڑی بڑی غاریں ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی غار میں اسلحہ بارود اور مشینری رکھی گئی ہے اور دوسری بڑی غار میں ہم تین سو افراد کو بھرا بکریوں کی طرح قید کر دیا گیا ہے ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ فون کے چھاپے کی وجہ سے فیکٹری اکھاڑی گئی ہے۔ کئی سال پہلے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میرے ساتھیوں نے کہا کہ یہ موقع ہے۔ میں فرار ہو کر اگر فوج تک پہنچ جاؤں تو شاید ان کی رہائی کی کوئی صورت نکل آئے۔ میں تیار ہو گیا۔ میرے ساتھیوں نے مجھے اس غار سے نکال دیا۔ وہ لوگ مطمئن تھے۔ اس لئے وہاں باہر کوئی پہرہ نہ تھا۔ میں وہاں سے پہلے اس جگہ پہنچا جہاں فیکٹری تھی وہاں سے سڑک پر میں نے ان دونوں جیسوں کو جاتے ہوئے دیکھا تو انہیں روکنے کے لئے میں پہاڑی پر چڑھ کر دوسری طرف گیا۔ میں نے آواز دی جیسیں رک گئیں۔ میں خوش ہو گیا لیکن جب میں نے جیسوں میں سے اعظم خان اور بڑے خان کو نکلے دیکھا تو میری روح فنا ہو گئی۔ میں خوف کے مارے ایک غار میں چھپ گیا وہاں سے مجھے پکڑ کر یہاں لے آیا گیا ہے۔..... مراد نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”ہاں تم واقعی مراد ہو۔ جہادی بیوی اور بچے سے میں مل چکا ہوں اور جہادی تلاش کے چکر میں یہ سارا کیس شروع ہوا۔ میں نے تمہارا فوٹو دیکھا تھا۔ لیکن جہادی حالت اس قدر بدل چکی ہے کہ میں تمہیں

مسکراتے ہوئے ناٹیک سے کہا جس نے سڑک پر گرنے والی پانی کی بوتل اٹھالی تھی سو کہہ دو بتلاؤ اس کی تھی اس لئے نوٹی نہ تھی۔

”یہ لو پانی دے۔“ ناٹیک نے آگے بڑھ کر اسے سجدے سے اٹھاتے ہوئے کہا اور اس بار اس آدمی نے دونوں ہاتھوں سے پانی کی بوتل پکڑی اور اسے منہ سے لگایا۔ وہ اس طرح غناخت پانی پے چلا جا رہا تھا جیسے صدیوں سے پیاسا ہو۔

”وہ خدا یا تیرا شکر ہے۔“ اس آدمی نے بوتل منہ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کی بجائے گہرے اطمینان کے تاثرات نمودار ہو گئے تھے۔

”جہاد انا م کیا ہے۔“ عمران نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”میرا نام مراد ہے۔ میں دارالحکومت میں سوشل و پلٹیفیر آفسیر تھا۔ میں نے ایک بدوہ فروش گروہ کی خبری کی تو مجھے اغوا کر کے جہاں بڑے خان اور اعظم خان کے سلسلے پیش کیا گیا۔ جہاں مجھے بہت بری طرح زد و کوب کیا گیا۔ میں وحیث تھا یا میری زندگی باقی تھی کہ میں پھر بھی مرنے سے بچ گیا تو انہوں نے مجھے اسلحہ ساز فیکٹری میں بھیج دیا وہاں تین سو کے قریب افراد اور ہیں۔ ان میں دو سو کے قریب دس بارہ سالوں سے اٹھارہ بیس سال کے لڑکے ہیں۔ باقی جوان اور بڑی عمر کے ہیں۔ ہم سے دن رات سیگاری جاتی تھی۔ ہمیں کھانے کو بہت تھوڑا دیا جاتا تھا۔ ہمیں ڈرا یا دھمکایا جاتا تھا۔ بعض اوقات بغیر کسی وجہ کے ہمیں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ چار بار بچ گئے پہلے

بہان نہیں سکا۔ صرف اتنا احساس ہوا تھا کہ میں نے جہیں پہلے کہیں دیکھا ہے۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ تم زندہ سلامت ہو۔ تمہاری بیوی اور تمہارے بیٹے کے لئے یہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری ہو گی۔ لیکن تمہارے ساتھ جو لڑکے اور لوگ قید ہیں۔ ان کے لواحقین بھی اسی طرح ان کی راہ دیکھ رہے ہوں گے جس طرح تمہاری بیوی اور تمہارا بچہ تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں اس لئے اب تم نے ہماری اس طرح مدد کرنی ہے کہ ہم ان سب کو صحیح سلامت ان کی قید سے رہا کر اسکیں۔ عمران نے کہا تو مراد کے چہرے پر اچھائی مسرت کے تاثرات ابھر آئے۔

• بالکل۔ میں بالکل تمہاری مدد کروں گا۔ لیکن وہ لوگ بے حد قالم ہیں۔ اگر انہیں ذرا بھی شبہ پڑ گیا تو وہ سب کو ہلاک کر کے اور سب کچھ تباہ کر کے پہاڑوں میں غائب ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ اب تک انہیں میرے فراد کا بھی علم ہو گیا ہو۔ اور وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں۔ وہ یہاں پہنچ جائیں گے وہ اچھائی ہو شیاد اور باخبر لوگ ہیں۔۔۔۔۔ مراد نے ایک بار پھر کہے ہوئے لہجے میں کہا۔

• کرنل آفتاب آپ اس پورے علاقے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ مراد سے اس پہاڑی کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کر لیں تاکہ ان لوگوں کو پکڑا جاسکے۔ عمران نے کرنل آفتاب سے مخاطب ہو کر کہا۔

• میرا خیال ہے میں فوج کا دست طلب کر لوں اس طرح ہمیں اپنے

کام میں آسانی ہو جائے گی۔۔۔۔۔ کرنل رستم نے کہا۔

• نہیں کرنل۔ فوج یہاں پہنچی تو انہیں فوراً خیر ہو جائے گی اور پھر یہ لوگ واقعی اپنا ہر نشان مٹا ڈالیں گے۔ پھر ہمیں وہاں سے ان مظلوم قیدیوں کی صرف لاشوں کے ٹکڑے ہی ملیں گے۔ مجھے اسلحہ فیکٹری کی مشینری یا اسلحہ بارود سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان بے کس اور بچہ قیدیوں کو زندہ سلامت ان بھڑیوں کے ہاتھوں سے رہائی دلا سکوں۔ عمران نے بڑے پر غم لہجے میں کہا۔

• لیکن وہ لوگ ہوشیار بھی ہوں گے اور مسلح بھی۔۔۔۔۔ کرنل رستم نے کہا۔

• آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

اور کرنل آفتاب مراد سے گفتگو میں مصروف تھا۔

• میں نے مظلوم کر لیا ہے۔ نسام پہاڑی سے جنوب کی طرف تقریباً دو ٹھو میڑ کے فاصلے پر ایک اور پہاڑی ہے ناگہرہ۔ اس پہاڑی میں یہ غاریں ہیں۔ لیکن وہ علاقہ بے حد دشوار گزار ہے اور سلسلے سے جانے پر انہیں دور سے ہی تپہ چل جانے گا۔۔۔۔۔ کرنل آفتاب نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

• ہم عقبی طرف سے نہیں جاسکتے۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

• نہیں عقبی طرف سے پہاڑی بالکل عمودی ہے۔۔۔۔۔ کرنل آفتاب نے جواب دیا۔

• اور کوئی راستہ۔۔۔۔۔ عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

”دعا کریں کہ یہ جادوگری آگے بھی کام آجائے۔“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اپنے لباس سے نکالی ہوئی چیزیں جو اس نے پہلے ایک طرف رکھ دی تھیں اٹھا اٹھا کر اس لباس کی جیبوں میں ڈالنا شروع کر دیں جو اس نے پہن رکھا تھا۔ پھر کرنل آفتاب اور مراد سے راستے کے بارے میں پُر زنی تفصیل معلوم کر کے وہ تیزی سے دوڑتا ہوا پہاڑی کے اوپر چڑھنے لگا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ سڑک کے راستے جانے کی بجائے وہ پہاڑی کے اوپر سے ہو کر ان لوگوں کی طرف جائے گا۔ تاکہ انہیں کسی قسم کا شک نہ ہو سکے۔

”نہیں سوائے سامنے کے رخ جانے کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“ کرنل آفتاب نے جواب دیا۔

”اوکے ٹائیگر جیب کے پیچھے پڑے ہوئے بیگ میں سے میک اپ باکس نکالو۔ میں مراد کا میک اپ کر کے وہاں جاؤں گا۔ تم لوگ اس جگہ رکو گے جہاں پہلے یہ فیکٹری تھی۔ سپیشل ٹرانسمیوٹر میں جب کال کروں تو آپ لوگ وہاں پہنچ جائیں۔“..... عمران نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب کیا آپ اکیلے جائیں گے۔“ کرنل رستم اور کرنل آفتاب دونوں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں یہ ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں مراد کے فرار کی خبر اب تک ہو چکی ہوگی اور وہ اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔ اس لئے جب میں وہاں جاؤں گا تو وہ مجھے پکڑ لیں گے۔ اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھے اپنے ٹھکانے پر لے جائیں۔ پھر سب اوکے ہو جائے گا۔“..... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا لباس اتارا اور پھر مراد کا لباس اتار کر اس نے خود پہنا اور اپنا لباس مراد کو پہنا کر اس نے ایک پتھان کی اوٹ میں اپنے چہرے پر مراد کا میک اپ کرنا شروع کر دیا۔

”کمال ہے۔ تم۔ تم تو واقعی جادوگر ہو۔“..... کرنل رستم اور کرنل آفتاب نے استہجابی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ مراد بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمران کو دیکھ رہا تھا۔

جائیں گے۔ انہیں وہاں لٹکریں مارنے دو۔ خود ہی لٹکریں مار کر واپس چلے جائیں گے۔..... محبت خان نے جواب دیا۔

”میرا خیال ہے سردار کہ ہمیں کم از کم دو آدمیوں کو سامنے کی پہاڑیوں پر ضرور بھیجنا چاہئے۔ تاکہ اگر وہ ادھر آ رہے ہوں تو کم از کم ہمیں ان کے متعلق پیشگی اطلاع تو مل جائے۔“ ایک اور آدمی نے کہا۔

”ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ رحمت اور احمد خان دونوں باہر جاؤ اور اوپر چوٹی پر ایسی جگہ چھپ جاؤ جہاں سے تم ہر طرف نگاہ رکھ سکو۔ اگر کوئی مشکوک بات ہو تو ایک آدمی فوراً ہمیں آکر اطلاع دے دے۔“ محبت خان نے کہا اور اس کے ساتھ ہی محافظوں میں سے دو آدمی اٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے غار سے باہر نکل گئے۔

”ان لوگوں کو کھانے کے لئے آج کیا دیا جائے گا۔ سب کچھ تو پیک ہو چکا ہے۔“ چند لمحوں بعد زبیر نے کہا۔

”لعنت بختمو ان پر۔ ایک رات میں یہ مر نہیں جائیں گے اور مر بھی گئے تو کیا ہو گا۔ ان کی جگہ دوسرے لوگ آجائیں گے۔ پہلے یہ خطرہ تو دور ہو۔..... محبت خان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تم سیکرٹ سروس سے بے حد خوفزدہ ہو گئے ہو محبت خان پہلے تو میں نے تمہاری ایسی کوئی کیفیت نہیں دیکھی تھی۔“ زبیر نے کہا۔

”محبت خان خوفزدہ نہیں ہو سکتا زبیر۔ لیکن میں محتاط ضرور ہو گیا ہوں۔ کیونکہ میں چار سال تک ملٹری انٹیلی جنس میں کام کرتا رہا ہوں

”ہم کب تک یہاں رہیں گے محبت خان۔“ زبیر نے محبت خان سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ دونوں ایک غار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ بیس کے قریب محافظ بھی تھے۔

”تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا ہم واپس چلے جائیں۔..... محبت خان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ بلکہ میرا مطلب ہے کہ ہمیں یہاں چھپ کر بیٹھنے کی بجائے اپنے آدمی وہاں بھیجنے چاہیں تاکہ معلوم تو ہو سکے کہ وہ لوگ وہاں پہنچے بھی ہیں یا نہیں۔ اگر پہنچے ہیں تو ان کا رد عمل کیا ہے۔“ زبیر نے جواب دیا۔

”نہیں ان لوگوں کا تعلق سیکرٹ سروس سے ہے۔ اگر ہمارا ایک آدمی بھی ان کی نظروں پر پڑے گا تو پھر وہ یہاں ہمارے سروں پر پہنچ

مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ کس قدر خطرناک ہوتے ہیں..... محبت خان نے تلخ لہجے میں کہا۔

اگر فرض کیا یہ اچانک یہاں پہنچ جاتے ہیں تو پھر تم نے کیا احتیاطی تدابیر کی ہیں..... زبیر نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا تو محبت خان بے اختیار مسکرا دیا۔

”تو جہاد کیا خیال ہے میں ویسے ہی یہاں آکر بیٹھ گیا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہاں کسی کے پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ وہی راستہ جہاں سے ہم آئے ہیں۔ میں نے راستے میں خاص خاص جگہوں پر ایسی بارودی سرنگیں دیادی ہیں کہ اگر کوئی ادھر آیا تو یقیناً ان میں سے کوئی نہ کوئی پھٹ جائے گی۔ اس طرح ایک تو کم از کم ان کا ایک آدمی تو بہر حال ہلاک ہو جائے گا۔ دوسرا دھماکے کی آواز سے ہم ہوشیار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم سب اوپر پہاڑی پر چڑھ جائیں گے۔ پھر چاہے یہاں پوری فوج ہی کیوں نہ آجائے۔ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جاسکے گا..... محبت خان نے جواب دیا۔

”لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ کسی نہ کسی کا بیر بارودی سرنگ پر آ بھی جائے گا.....“ زبیر نے کہا۔

”ایک تو تم جیسا احمق آدمی پہلے میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اگر تم بڑے خان کے دور کے رشتہ دار نہ ہوتے تو اپنی اس حماقت کی وجہ سے اب تک نبھانے کتنی بار میرے ہاتھوں سے ہلاک ہو چکے ہوتے۔ احمق آدمی وہ ایک آدمی تو نہیں ہوگا۔ جو یہاں آئے گا اور بارودی

سرنگ پر اس کا بیر نہ آئے گا۔ ظاہر ہے وہ بہت سے آدمی ہوں گے۔ اس لئے لامحالہ ان میں سے کسی ایک کا بیر لازماً اس پر پڑے گا..... محبت خان نے کہا تو زبیر بے اختیار ہنس پڑا۔

”اب تم جیسی عقل تو میرے پاس نہیں ہے محبت خان اسی وجہ سے تو تمہیں اس ٹیکسٹری کا انچارج بنایا گیا ہے.....“ زبیر نے قدرے خوشامد انداز میں کہہ دیا اور محبت خان بھی ہنس دیا۔ لیکن پھر اس سے پہلے کہ ان کے درمیان مزید کوئی بات ہوتی۔ باہر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں تو وہ سب بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر محبت خان تیزی سے غار کے دہانے سے باہر آگیا۔ آنے والا احمد خان تھا جسے انہوں نے پہرے پر بھیجا تھا۔

”سردار سردار۔ وہ مراد فرار ہو گیا تھا۔ رحمت نے اسے پکڑ لیا ہے۔“ احمد خان نے تیز لہجے میں کہا۔

”مراد فرار ہو گیا۔ کیا مطلب وہ تو اس غار میں قید تھا۔ وہاں سے کیسے فرار ہو گیا۔“ محبت خان نے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”وہ فرار ہو گیا ہے سردار۔ رحمت نے اچانک اس کی ایک جھلک دیکھ لی۔ وہ ایک بڑے پتھر کے پتھر چپ رہا تھا پھر میں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ ہم نے بڑی مشکل سے اسے گھیر کر پکڑا ہے سردار بڑی مشکل سے۔ رحمت اسے لے آ رہا ہے.....“ احمد خان نے کہا تو محبت خان کے ہنسنے پر شدید غصے کے تاثرات ابھر آئے۔

”اوہ اوہ میں اس کی بولیاں اڑا دوں گا۔ لیکن یہ فرار کیسے ہوا۔ لازماً

ممران مراد کے روپ میں پہاڑی جنگل میں تیزی سے چلتا ہوا آگے بڑھا چلا جا رہا تھا اور اسے صحیح معنوں میں اب اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ اگر کرنل آفتاب نے اس کی تفصیل سے رہنمائی نہ کی ہوتی تو اس دشوار گزار اور گھنے پہاڑی جنگل میں وہ لازماً راستہ بھول جاتا۔ لیکن کرنل آفتاب واقعی اس سارے علاقے سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے عمران کو اس انداز میں راستہ بتایا تھا کہ عمران صحیح راستے پر تیزی سے آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اب وہ ایسے علاقے میں پہنچ چکا تھا جہاں سے وہ غاروں والی پہاڑی کے کافی قریب۔ اس نے اپنی رفتار کم کر دی تھی اور وہ بڑے محتاط انداز میں ہر طرف کا جائزہ لے رہا تھا کیونکہ اس نے ایک فرار ہونے والے آدمی کا کردار ادا کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی خیال رکھنا تھا کہ اس پر اچانک فائرنگ نہ کر دی جائے۔ کیونکہ ان لوگوں کا کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ فرار ہونے والے آدمی

اس کے ساتھ اور بھی ہوں گے۔ زہر دو آدمیوں کو ساتھ لے جاؤ اور چیک کر دیکھتے آدمی فرار ہوتے ہیں اور کہیے۔ ... محبت خان نے غصے کی شدت سے چپختے ہوئے کہا تو زہر دو مسلح افراد کو ساتھ لے کر دوڑتا ہوا اس طرف کو بھاگ پڑا۔ جدھر وہ غار تھا جہاں قیدیوں کو بند کیا گیا تھا تھوڑی دیر بعد دور سے رحمت ایک آدمی کو بازو سے پکڑے تقریباً گھسیٹتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ اس آدمی کے بازو عقب میں بندھے ہوئے تھے۔

”ہاں یہ واقعی مراد ہے۔ ... محبت خان نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ساتھ کمرے ہوئے ایک محافظ کی طرف مڑ گیا۔

”میرا کوزالے آؤ۔ میں اس کی اور اس کے ساتھ دینے والوں کی کھالیں اتار دوں گا۔ ... محبت خان نے انتہائی فحشیلے لہجے میں کہا اور محافظ سر ہلاتا ہوا تیزی سے غار کی طرف دوڑ گیا جب کہ محبت خان قبر بھری نظروں سے اپنی طرف بڑھتے ہوئے مراد کو دیکھنے لگا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مراد کو انتہائی عبرت انگیز ساک سزا دینے کا سعی فیصلہ کر چکا ہے۔

ہوا تھا۔

”فراری کتے۔ فرار ہو رہا تھا۔“ اس آدمی نے غراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے آدمی نے اسے پلٹ دیا اور پھر عمران کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر کر کے بڑی مہارت سے باندھ دیئے گئے۔
”م۔م۔م۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے مت مارو۔“ عمران کے حلق سے مراد کی طرح خوفزدہ سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

”تم نے کیا سمجھا تھا کہ فرار ہو جاؤ گے؟..... ایک آدمی نے تفصیل انداز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا زور دار تھپڑ پوری قوت سے عمران کے پیٹ پر پڑا اور عمران کے حلق سے ایک بار پھر خوفزدہ سی چیخ نکل گئی۔

”یہ فرار کیسے ہوا ہو گا؟ رحمت یہ تو وہاں غار میں بند تھا۔“ دوسرے آدمی نے حیرت خیز لہجے میں کہا۔ اب عمران کو بازو سے پکڑ کر اٹھا کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ عمران کا جسم واضح طور پر کانپ رہا تھا۔

”اب تمہیں تپے چلے گا حرام خور کہ بھاگنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟“ اس رحمت نے عمران کی گردن پر ہلکا سا مارا، ہوئے غرا کر کہا اور عمران نے خوف کی شدت سے واقعی رونما شروع کر دیا۔

”اب روتے ہو۔ فرار ہو رہے تھے۔ جہاری یہ جرأت۔ جاؤ احمد خان جا کر محبت خان کو اطلاع دو۔ میں اسے لے آتا ہوں۔“ رحمت نے تیز لہجے میں کہا اور احمد خان سر ملاتا ہوا واپس دوڑ پڑا۔ جب کہ رحمت خان عمران کو بازو سے پکڑے دھکیلتا ہوا غاروں والی پہاڑی کی

سے کس انداز میں پیش آتے ہیں۔ اسے گرفتار کرتے ہیں یا اس پر براہ راست فائر کھول دیتے ہیں۔ مختار انداز میں آگے بڑھتے بڑھتے اچانک وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس کی تیز نظریں وہاں سے کچھ فاصلے پر موجود ایک تھمڑی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے وہاں کسی آدمی کی جھلک دیکھی تھی اور پھر چند لمحوں بعد جب اس نے واقعی ایک مسلح آدمی کو اس بڑی تھمڑی کے پیچھے سے نکل کر دوسری تھمڑی کے پیچھے چھپتے ہوئے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اسے دیکھ لیا گیا ہے۔ وہ تیزی سے مڑا اور پھر ایک ایسی چٹان کے پیچھے دب کر بیٹھ گیا کہ جب تک کوئی اس کے سر پر نہ پہنچ جائے تب تک اس پر دور سے فائر نہ کھولا جاسکتا تھا۔ اس کی پوری توجہ اب اس طرف تھی جہاں سے اس نے اس آدمی کو دیکھا تھا اور چند لمحوں بعد اسے احساس ہو گیا کہ آنے والے دو آدمی ہیں اور بڑے ماہرانہ انداز میں اسے دونوں اطراف سے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عمران دیسے ہی دیکھا رہا۔

”خبردار..... اچانک ایک کرخت سی آواز اسے سنائی دی اور دوسرے لمبے ایک آدمی اس پر اس طرح آن پڑا۔ جیسے عقاب کسی چڑیا پر چھپتا ہے۔ عمران چاہتا تو ایک لمبے میں اسے جھٹک کر نیچے گہرائی میں گر اسکتا تھا۔ لیکن وہ چونکہ اس وقت مراد کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ اس لئے اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی اور کبھی ہوئی چیخ نکلے اور وہ نیچے گر کر اس طرح ہاتھ پیر مارنے لگا جیسے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس پر چھپنے والے نے اس کے سینے پر اپنا گھٹنار کھا

طرف لے جانے لگا۔ عمران مسلسل اس سے معافیاں مانگ رہا تھا اور استہائی کامیابی سے حد درجہ خوفزدہ آدمی کی اداکاری بھی ساتھ ساتھ کرتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے ناخنوں میں لگے ہوئے بلیڈ بھی اپنا کام کرتے چلے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ ایک پہاڑی چٹان کے پیچھے سے نکل کر آگے بڑھے تو اس نے ایک آدمی کو ہاتھ میں کوڑا پکڑے بڑے بے رحمانہ انداز میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچھے بارہ تیرہ مشین گنوں سے مسلح افراد بھی کھڑے ہوئے تھے۔

”یہ فرار ہو رہا تھا محبت خان۔ رحمت نے اس کو ڈا بردار کے سامنے لے جا کر عمران کو دھکیلتے ہوئے کہا۔
”کیوں حرام خور کیوں فرار ہو رہے تھے تم۔ محبت خان نے استہائی جارحانہ لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کوڑا یکھٹ گھما کر عمران کو مارنا چاہا۔ لیکن عمران بے اختیار اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور کوڑا ہوا میں ہی گھوم کر رہ گیا۔

”تمہاری یہ جرأت کہ تم میرے کوڑے کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔۔۔۔۔ محبت خان نے غصے سے پاگل ہوتے ہوئے کہا لیکن دوسرے لمحے عمران کے ساتھ کھڑا ہوا رحمت خان یکھٹ جیتتا ہوا فضا میں اڑتا ہوا محبت خان سے ٹکرایا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیچے گر گئے۔ اس کے ساتھ ہی عمران نے چھلانگ لگائی اور وہ ایک قریبی چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ دوسرے لمحے یکے بعد دیگرے کئی بار کھٹاک

کھٹاک کی آوازیں ابھریں اور چٹان کے پیچھے سے سرخ رنگ کے کیپول نکل کر محبت خان اور اس کے ساتھیوں کے درمیان زمین پر گر کر پھینے اور ہر طرف سرخ رنگ کا دھواں تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ریٹ ریٹ کی تیز آوازیں گونجیں اور ایک طرف سے آنے والے تین مسلح افراد چیتے ہوئے نیچے گرے اور بری طرح تڑپنے لگے۔ محبت خان اور اس کے ساتھی اس دھواں میں گمراہ اس طرح گرے جس طرح زہریلی دوا تھڑکنے سے حشرات الارف زمین پر گرتے اور قہقہہ کرنا کرتے ہو جاتے ہیں۔ چند لمحوں بعد دھواں چھٹ گیا لیکن عمران چٹان کی اوٹ میں سانس روکے بیٹھا پوری صورت حال کو دیکھتا رہا۔ اسے صرف یہ خطرہ تھا کہ کہیں اس محبت خان کے اور ساتھی ادھر ادھر موجود نہ ہوں۔ اس نے ایک طرف سے آنے والوں پر مشین گن کی فائرنگ بھی اس لئے کی تھی تاکہ اگر ادھر ادھر لوگ موجود ہوں تو وہ سامنے آجائیں مشین گن اس نے رحمت کو محبت خان پر اچھلتے ہوئے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی تھی۔ بے ہوش کر لینے والی انتہائی زود اثر گیس کے کیپول فائر کرنے والا پشٹل پہلے سے اس کی جیب میں موجود تھا اور رحمت اور احمد خان نے صرف اس کے ہاتھ ہی باندھنے پر اکتفا کیا تھا اس کی تلاشی لینے کی رحمت ہی نہ کی تھی۔ اس میں عمران کی شاندار اداکاری کا بھی دخل تھا۔ اس کی اداکاری کی وجہ سے انہیں آخری لمحے تک یہ شک ہی نہ ہو سکا تھا کہ جسے انہوں نے پکڑا ہے وہ مراد کی بجائے کوئی اور بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے مراد کے

افراد کو اس نے فائرنگ سے ہلاک کیا ہے۔ وہ یقیناً اسی غار سے ہی آ رہے ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ مراد کے فرار اور پکڑے جانے کی اطلاع ملنے پر وہاں چیکنگ کے لئے گئے ہوں کہ دیکھ سکیں کہ کتنے افراد فرار ہوئے ہیں اس لئے وہ اوپر کو چل پڑا اور تھوڑی دیر بعد ہی اس نے ایک غار کے دہانے کو چیک کر لیا جس کے باہر ایک بھاری پتھان موجود تھی اور عمران نے ایک بی نظیر دیکھ لیا کہ یہ پتھان بالکل وہاں دہانے پر اس طرح نصب کی گئی تھی کہ اندر سے اسے کسی صورت بھی دھکیل کر نہ کھولا جاسکے۔ عمران اچھے بڑھنے کی بجائے واپس ہٹا۔ اسے معلوم تھا کہ اندر تین سو افراد موجود ہوں گے۔ لیکن وہ انہیں آزاد کرانے سے پہلے مراد اور اپنے ساتھیوں کو یہاں بلانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے فطرتاً تھا کہ اگر اس نے خود انہیں آزاد کر دیا تو پھر یہ خوف کی شدت سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح انہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جو حالت مراد کی تھی وہی حالت ان افراد کی بھی ہوگی اور وہ واپس اس جگہ آیا جہاں محبت خان اور اس کے مسلح ساتھی بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ عمران نے مشین گن ایک پتھان سے نکالی اور پھر اندرونی جیب سے اس نے ریموٹ کنٹرول جتنا چھوٹا سا آلہ نکال کر اس کا بزن دبا دیا۔ یہ فکسڈ فریکوئنسی کا سپیشل ٹرانسمیٹر تھا۔ اس کا دوسرا سیٹ چوہان کے پاس موجود تھا۔ آلے میں نوں نوں کی آوازیں نکلنے لگیں اور ایک چھوٹا سا بلب تیزی سے جلنے بجھنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہی بلب مسلسل جلنے لگا۔

پاس کسی اسلحے کی موجودگی کا تو انہیں تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب کوئی اور آدمی سلسلے نہ آیا تو عمران پتھان کی ادٹ سے نکلا اور تیزی سے چلتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ محبت خان اور اس کے ساتھی بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور اسے معلوم تھا کہ اب جب تک انہیں خاص طور پر ہوش میں نہ لایا جائے گا یہ ہوش میں نہ آسکیں گے اس لئے وہ ان کی طرف سے پوری طرح مطمئن تھا۔ کچھ آگے بڑھنے کے بعد عمران کو ایک غار کا دہانہ نظر آگیا جو کھلا ہوا تھا۔ عمران نے جھک کر زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور اسے غار کے اس کھلے دہانے سے اندر پھینک دیا۔ تاکہ اگر کوئی اندر موجود بھی ہو تو باہر آجائے لیکن جب کوئی باہر نہ آیا تو عمران مشین گن پکڑے غار میں داخل ہو گیا۔ غار کافی بڑا تھا۔ اس میں مختلف قسم کی پتیلیوں اور دوسرے عام استعمال کے سامان کا ذخیرہ موجود تھا لیکن وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ عمران باہر آیا اور اس نے دوسری غار کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جس میں مراد کے بقول مشینری رکھی گئی تھی اور تھوڑی سی تلاش کے بعد اس نے وہ غار بھی دریافت کر لیا۔ اس بڑے اور وسیع غار میں واقعی اکھاڑی گئی مشینری موجود تھی۔ مشینری خاصی جدید تھی۔ اسے پیک کرنے کی بجائے ویسے ہی اکھاڑ کر اور مختلف پارٹس میں تبدیل کر کے یہاں رکھا گیا تھا۔ عمران کچھ دیر غور سے یہاں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر وہ اس غار سے باہر آگیا۔ اب صرف ایک غار باقی رہ گیا تھا جہاں بنگار میں پکڑے گئے مراد کے ساتھی قید تھے۔ عمران کو اندازہ تھا کہ جن تین

ڈال کر وہ چٹان پر پہنچ گیا۔ پھر تقریباً پانچ پانچ منٹ کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کو سامنے کی پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ مراد ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔

”عمران صاحب اگر مراد ہمارے ساتھ نہ آتا تو شاید ہم سب یہاں صحیح سلامت نہ پہنچ سکتے۔“ قریب آنے پر چوہان نے کہا۔
”وہ کیوں کیا تم راستہ بھول گئے تھے۔ یہ تو بالکل ہی صاف اور سیدھا راستہ ہے۔“ عمران نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ بات نہیں۔ مراد نے ہمیں بتایا ہے کہ محبت خان نے جھاریوں سے لے کر تاروں تک پہنچنے کے درمیانی راستے میں کئی جگہوں پر اجنبی حساس بارودی سرنگیں دفن کرائی تھیں اور اب یہ اتفاق ہے کہ یہ بارودی سرنگیں اس نے مراد کے ذریعے ہی دفن کرائی تھیں اس لئے مراد کو معلوم تھا کہ کہاں کہاں بارودی سرنگیں موجود ہیں اور ویسے یہ سرنگیں واقعی ایسی جگہوں پر مدفون ہیں کہ لامحالہ ہم میں سے کسی نہ کسی کا پیر اس پر لا زماً آ جاتا۔“ چوہان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن مراد نے پہلے تو ان سرنگوں کے بارے میں کوئی بات نہ کی تھی۔“ عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔
”مم۔ مم۔ میں اس وقت پوری طرح ہوش میں ہی نہ تھا جتنا اب درنہ ضرور بتا دیتا۔“ مراد نے ایک بار پھر خوفزدہ لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔ وہ عمران کے سنجیدہ لہجے سے ہی خوفزدہ ہو گیا تھا۔

”ہیلو عمران کالنگ اور۔“ عمران نے ایک منہ دباتے ہوئے کہا۔

”میں چوہان بول رہا ہوں اور۔“ دوسری طرف سے چوہان کی آواز سنائی دی۔

”ارے میں نے تو کال بڑے خان کو کیا تھا۔ یہ چوہان کی آواز کہاں سے آنے لگی ہے اور۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ مجھے چوہان ہی رہنے دیں۔ مجھے بڑا خان بننے کی کوئی خواہش نہیں ہے اور۔“ دوسری طرف سے چوہان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”جلو بڑا خان نہ ہی کیے از فور سٹارڈ ہی۔ بہر حال میں نے کو رنگ کر لی ہے۔ ساتھیوں سمیت یہاں آ جاؤ۔ تاکہ مراد کے دوسرے ساتھیوں کو دبا کر لایا جاسکے اور۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا وہ لوگ قابو میں آگئے ہیں اور۔“ چوہان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”یہاں کا انچارج محبت خان تھا اور محبت میں کسی کو ناکام کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ اس لئے وہ اپنے ساتھیوں سمیت ناکام محبت خان بنائے ہوش پڑا ہوا ہے اور۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ہم آ رہے ہیں۔ عمران صاحب اور۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور عمران نے اور اینڈ آل کہہ کر ٹرانسمیٹر آف کیا پھر اسے جیب میں

ان سے لواحقین کو دیں بلا کر انہیں ان کے حوالے کیا جائے اور یہ باراکام اب تم نے سرانجام دینا ہے۔ عمران نے مراد کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

نھیک ہے جنتاب۔ یہ آپ کی مہربانی ہے۔ ورنہ ہم لوگ تو زندگی کی بازی نبھانے کب سے ہار چکے تھے۔ مراد نے جواب دیا اور عمران نے ایک بار پھر اس کے شانے پر تھپکی دی۔ پھر وہ سب اس غار کی طرف بڑھ گئے جہاں مراد کے ساتھی بند تھے۔

ہاں واقعی جہاری حالت ایسی تھی۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ میرا پیران پر نہیں آیا۔ ورنہ میرے تو واقعی یہاں ٹکڑے ٹکڑے نظر آ رہے ہوتے۔ عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

چچ جنتاب غلطی ہو گئی تھی۔ آپ کو اللہ کا واسطہ مجھے معاف کر دیں جنتاب۔ مراد نے عمران کے سلسے بے چارگی کے انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

ارے ارے یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اب تو تم ان قالموں کی قید سے نکل آئے ہو۔ اب کیوں ڈر رہے ہو۔ حوصلہ کرو۔ عمران نے اسے کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

اس کے ذہن میں خوف رائج ہو چکا ہے عمران صاحب آہستہ آہستہ ہی یہ سنبھلے گا۔ کرنل رستم نے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلادیا۔

دیکھو مراد مجھے معلوم ہے کہ تم پر اتنے طویل عرصے سے کیا گزرتی رہی ہے۔ جہاں خوف اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن اب تم اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لو کیونکہ اب تم نے اپنے ساتھیوں کو رہائی بھی دلائی ہے اور انہیں حوصلہ بھی دینا ہے۔ کیونکہ ان کی حالت بھی یقیناً تم سے مختلف نہ ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ انتہائی خوف کی وجہ سے فرار ہونے کی کوشش کریں اس طرح پہاڑوں میں ان کے ہلاک ہو جانے کا خدشہ بھی سلسلے آسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سب کو راکوش ملز جھاڑی لے جایا جائے اور وہاں ان سے ان کے پتے حاصل کر کے

درمیان میں نہ ہوتا تو پھر واقعی سردار خان کو اس کے جرائم کی سزا ہم خود دے دیتے لیکن ظاہر ہے کرنل رستم کے درمیان میں آجانے کے بعد اب اس کے خلاف ہم براہ راست کوئی ایسی کارروائی نہیں کر سکتے جسے کرنل رستم غیر قانونی سمجھتا ہو۔۔۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

لیکن عمران صاحب جہرگہ تو یہاں کے مقامی سرداروں پر ہی مشتمل ہو گا اور سردار خان بھی یہاں کا بڑا سردار ہے۔ پھر جہرگہ اس کے خلاف کیسے فیصلہ کرے گا۔ وہ تو لامحالہ اس کی ہی سائیڈ لیں گے۔ نعمانی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ علاقہ غیرت مند لوگوں کا علاقہ ہے جہاں کے لوگ جرائم کے خلاف ہم سے بھی زیادہ سخت موقف رکھتے ہیں۔ الٹہ انہیں اس بارے میں ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اور ٹھوس ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔ قیدی لڑکے اور آدمی بذات خود ان کے لواحقین محبت خان اور اس کے ساتھی کرنل رستم کرنل آفتاب یہ سب اس کے خلاف ٹھوس ثبوت ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان ثبوتوں کے بعد جہرگہ اپنے اس بڑے خان کو ایسی عبرت کا سزا دے گا کہ شاید اس کا تصور بھی جہارے ذہنوں میں نہ ہو۔ عمران نے اہتائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

عمران صاحب۔ اسلحہ ساز فیکٹری کی مشینری اور اسلحہ وغیرہ کیا یہ ثبوت نہیں ہیں آپ نے ان کا ذکر نہیں کیا۔۔۔۔۔ اس بار صدیقی نے بات کرتے ہوئے کہا۔

عمران صاحب یہ جہرگہ کا کیا سلسلہ ہے۔ اگر کرنل رستم کی وجہ سے آپ سردار خان کے خلاف خود کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے تو اسے دارالحکومت لے جایا جاسکتا تھا۔ وہاں اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو سکتی تھی۔ ہمارے پاس گواہ اور ثبوت سب کچھ تو موجود ہے۔ صدیقی نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ سب اس وقت کرنل رستم کی ذاتی رہائش گاہ کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اعظم خان تو سرکاری ملازم ہے۔ اس لئے اس کے خلاف تو قانونی کارروائی ہی ہوگی اور اس سلسلے میں آج رات کو سوپر فیاصل جہاں پہنچ رہا ہے۔ لیکن جہاں تک سردار خان کا تعلق ہے۔ اس کے خلاف دارالحکومت میں کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ وہ یہاں راکوش کا بڑا سردار ہے۔ یہاں اس علاقے میں جہرگہ کا قانون نافذ ہے۔ اس لئے اس کے خلاف کوئی بھی فیصلہ جہرگہ ہی کر سکتا ہے کرنل رستم اگر

کہا۔

”اگر وہ اس کے خلاف پیش کئے گئے ثبوتوں اور شہادتوں سے مطمئن ہو گئے تو یقیناً فیصلہ اس کے خلاف ہوگا ورنہ نہیں“۔ کرنل رستم نے گول مول سا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جرم کا سرخی کون ہے؟..... عمران نے پوچھا۔

”اصل سرخی تو سردار خان خود تھا۔ لیکن اب چونکہ سردار خان ملزم کے طور پر پیش ہو رہا ہے۔ اس لئے ایک اور بڑے قبیلے کا سردار سرخی ہوگا۔“ کرنل رستم نے جواب دیا۔

”کیا ہمیں جرم کی کارروائی دیکھنے کی اجازت ہوگی؟..... جوہان نے پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں۔ جرم کی کارروائی کھلے عام ہوتی ہے۔ ہر شخص اسے دیکھ سکتا ہے۔ ویسے آپ سب کے لئے میں نے وہاں خصوصی انتظامات کئے ہیں۔ ابھی ہم وہاں کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔“ کرنل رستم نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ ملز کی جیسوں میں سوار ہو کر اس کھلے اور وسیع میدان میں پہنچ گئے۔ جہاں ایک طرف ایک بڑا سا سیٹج بنایا گیا تھا۔ یہ سیٹج زمین سے تھوڑا سا اونچا تھا۔ اس پر قالین اور گاڑیچے رکھے ہوئے تھے۔ جب کہ ایک طرف کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ وہاں کافی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ عمران اور اس کے ساتھیوں کو ان کرسیوں پر بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میدان لوگوں سے بھر گیا۔ وہ سب سردار خان کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے۔

”نہیں جہاں اسلحہ بنانا یا اسے فروخت کرنا جرم نہیں سمجھا جاتا۔ اسے ناجائز صرف اس لئے کہا جاتا ہے کہ پاکیشیا کی حکومت اسے ناجائز اور غیر قانونی سمجھتی ہے۔ جب کہ یہ آزاد علاقہ ہے۔ البتہ بروہ فروشی اور لوگوں سے پیگڑ لینا جیسے انتہائی مکروہ ترین غیر انسانی جرائم کو جہاں بھی بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے یہ آزاد لوگوں کا علاقہ ہے اور آزادی کی قدر یہ لوگ ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔“ عمران نے جواب دیا اور پھر اس سے پہلے کہ ان کے درمیان مزید کوئی بات ہوتی کرنل رستم کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا ہوا کرنل صاحب؟“ عمران نے چونک کر کرنل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سب کچھ اوکے ہو گیا ہے۔ علاقے کا بڑا جرم کہ ایک گھنٹے بعد جینہ رہا ہے۔ میں نے تمام انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔“ کرنل رستم نے انتہائی اطمینان بھرے لہجے میں کہا تو عمران کے چہرے پر بھی اطمینان کے تاثرات ابھرائے۔

”یہ جرم کہاں بیٹھے گا؟..... عمران نے پوچھا۔

”راکوش کے بڑے میدان میں۔ بڑا جرم کہ وہیں ہوتا ہے۔ راکوش کے تمام بڑے قبیلوں کے سرداروں پر یہ جرم مشتمل ہوتا ہے۔“ کرنل رستم نے جواب دیا اور عمران نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”آپ کا کیا خیال ہے کرنل صاحب کیا جرم کہ سردار خان کے خلاف فیصلہ دے لایا نہیں؟..... جوہان نے کرنل رستم سے مخاطب ہو کر

لے گا..... کرنل رستم نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے ہم کرنل آفتاب کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم اجازت دیتے ہیں کہ وہ سردار خان کے خلاف الزامات کے بارے میں ہمیں بتائے۔“ جرگے کے بڑے سردار خان نے کہا تو میدان کے ایک کونے سے کرنل آفتاب آگے بڑھا۔ جب کہ کرنل رستم تیزی سے مڑ کر عمران کے ساتھ بڑی، دوٹی خالی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ کرنل آفتاب نے سردار خان کے قریب کھڑے ہو کر عمران اور اس کے ساتھیوں کی آمد اس سے ملنے سے ملے کر آخری لمحے تک جب کہ اس غار میں قید لوگوں کو چھڑوایا گیا۔ پوری تفصیل بیان کر دی۔ اس کا انداز بالکل صاف اور سادہ تھا۔

”تو سردار خان پر یہ الزام ہے کہ وہ بروہہ فروشوں کی سرپرستی کرتا رہا ہے اور اس نے دارالحکومت سے اغوا کئے گئے۔ لڑکوں اور آدمیوں کو ناجائز قید میں رکھا اور ان سے یہ لگائی.....“ جرگے کے سردار نے کہا۔

”جی ہاں سردار۔ یہی الزام ہے سردار خان پر.....“ کرنل آفتاب احمد نے سادہ سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”سردار خان ہمیں معلوم ہے کہ بروہہ فروش کی ہمارے ہاں کیا سزا ہوتی ہے اور تم اس سارے علاقے کے بڑے خان اور جرگے کے سردار ہو۔ اگر تم بروہہ فروش میں ملوث ہو تو پھر یہ سزا اور زیادہ بڑھ جائے گی کیونکہ جہاڑی وجہ سے یہ جرم اور زیادہ بھیاں تک ہو جاتا ہے۔ بڑے

پھر جرگے کے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ وہ سب اس سیٹج پر بیٹھ رہے تھے وہ سب اپنے اپنے قبیلے کے مخصوص لباسوں میں تھے۔ ان میں بوڑھے بھی تھے۔ ادھیر عمر بھی اور جوان بھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا خان آیا اور وہ درمیان میں آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھے ہی میدان میں ایکخت خاموشی سی چھا گئی۔ عمران کے ساتھیوں کے لئے چونکہ یہ سب کچھ نیا بھی تھا اور دلچسپ بھی۔ اس لئے وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سیٹج کے سلسلے کچھ فاصلے پر ایک کرسی رکھ دی گئی اور پھر کرنل رستم کے ساتھ سردار خان میدان میں داخل ہوا۔ وہ بڑے اطمینان بھرے انداز میں چلتا ہوا سیٹج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی گہرے اطمینان کے تاثرات نمایاں تھے۔ کرنل رستم اپنی یونیفارم میں تھا۔ وہ سردار خان کے ساتھ سیٹج کے سلسلے پہنچا۔ سردار خان اطمینان سے اس کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

”سردار خان پر کیا الزامات ہیں.....“ سیٹج کے درمیان میں بیٹھے ہوئے بوڑھے سردار نے اونچی مگر رعب دار آواز میں کرنل رستم سے مخاطب ہو کر کہا۔

”میں چونکہ سرکاری ملازم ہوں سردار۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اس کارروائی کے لئے ایک ایسے آدمی کو منتخب کروں جو اس سارے سلسلے میں مجھ سے بھی پہلے شامل ہوا ہے اور وہ اس وقت سرکاری ملازمت میں بھی نہیں ہے۔ کرنل رستم آفتاب احمد کو آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس لئے وہی اس ساری کارروائی میں حصہ

خان کا ایسے مکروہ جرم میں ملوث ہونا اس علاقے کے رہنے والے باغیرت لوگوں کے منہ پر ٹھانچہ ہے۔ لیکن تم جہگے کے اس قانون سے واقف ہو کہ اگر ملزم اعتراف جرم کر لے تو پھر اس کی سزائیں نرمی کا اختیار بھی جہگے کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے تم بتاؤ کہ کیا تم پر یہ الزام درست ہے یا غلط اور اگر درست ہے تو کیا تم اس کا اعتراف کرتے ہو؟..... جہگے کے سردار نے اپنی پاٹ وار آواز میں سلسلے کر سی پر بیٹھے ہوئے سردار خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یہ سب جھوٹ ہے۔ مجھ پر جہت ہے۔ آپ سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا کیا کردار ہے میں اور ایسے مکروہ جرم میں ملوث ہو سکتا ہوں۔ یہ سب میرے اور اعظم خان کے خلاف ایک بھیانک سازش ہے۔ لکڑی کے کاروبار کی وجہ سے ایک گہری سازش کر کے مجھے اور اعظم خان کو رستے سے ہٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور کرنل آفتاب اس سازش کا سرغنہ ہے۔ انہوں نے اعظم خان کے منہج آدم خان کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے میرے ذریعے پر زبردستی قبضہ کر کے میرے باڈی گارڈوں اور میرے بے گناہ ملازموں کو ہلاک کر دیا۔ جب اعظم خان کو اطلاع ملی تو اس نے پولیس کی مدد سے ان افراد کو میرے ذریعے سے گرفتار کیا اور ان سب کو مزید تفتیش کے لئے پولیس کے سپیشل سنٹر میں لے گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ مزید انکوائری ہوتی۔ کرنل رستم جوان سازشیوں کا ساتھی ہے نے فوج کے دستے کی مدد سے وہاں چھاپہ مارا اور مجھے اور اعظم خان کو وہاں سے اٹھا

ر فوجی چھاؤنی میں لے آیا۔ وہاں اعظم خان اور مجھے قید کر دیا گیا۔ اعظم خان اب تک وہاں قید ہے۔ جب کہ مجھے ابھی کرنل رستم سب کے سامنے چھاؤنی سے لے کر یہاں آیا ہے اور اب یہ لوگ کسی اسلحہ ساز فیکٹری اور وہاں قید کئے گئے لڑکوں اور آدمیوں کا قلعہ بنا رہے ہیں جب کہ مجھے تو کسی بات کا علم ہی نہیں ہے۔ میں بے قصور ہوں۔ سردار خان نے کپڑے ہو کر بڑے بارعب اور کڑک دار لمبے میں جہگے سے مخاطب ہو کر کہا۔

”نھیک ہے۔ تم اب بیٹھ جاؤ۔ ہم نے تمہاری بات سن لی ہے اور یقین کرو تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔..... جہگے کے سردار نے کہا اور سردار خان دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر استغاثی اطمینان کے تاثرات ابھرتے تھے اور اب اس نے اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو تاذ بھی دینا شروع کر دیا۔

”کرنل آفتاب سردار خان کا بیان تم نے سن لیا۔ کیا اس کا بیان درست ہے؟ جہگے کے سردار نے کرنل آفتاب سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اس حد تک درست ہے کہ عمران اور اس کے ساتھیوں نے نیر آدم خان کو پکڑا اور پھر اس سے اس فیکٹری کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اسے ہلاک کر دیا۔ پھر عمران اپنے ایک ساتھی کے ساتھ سردار خان کے ذریعے پر چلا گیا۔ وہاں کیا ہوا اس بارے میں مجھے معلوم نہیں ہے۔ البتہ مجھے اور عمران کے دوسرے ساتھیوں کو کسی گیس کی

- تمہارے پاس سردار خان کے ملزم ہونے کے بارے میں کیا ثبوت ہیں۔ اگر ہیں تو پیش کئے جائیں۔ جرگے کے سردار نے کہا اور کرنل آفتاب نے سب سے پہلے مراد کو پیش کیا۔ مراد نے حلف اٹھا کر سارے واقعات بتائے۔ پھر ان مجبوس لڑکوں اور دوسرے افراد کو جرگے کے سامنے اکٹھا پیش کیا گیا اور ان سب نے حلف اٹھا کر بیانات دیے۔ اس کے بعد محبت خان اور اس کے ساتھیوں کو پیش کیا گیا۔ محبت خان نے حلف اٹھا کر سب باتوں کا اعتراف کر لیا اور اس نے واضح طور پر سب کچھ بتا دیا۔

- محبت خان تم تو خود اس جرم میں برابر کے شریک ہو۔ تمہاری گواہی کو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ جرگے کے سردار نے محبت خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

- بڑے سردار میں نے حلف اٹھا کر جو سچ تھا وہ بتا دیا ہے۔ میں جرم میں واقعی برابر کا شریک ہوں۔ لیکن میں جرگے کے سامنے حلف اٹھا کر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اب یہ آپ کی مرضی کہ آپ میرے بیان کو قبول کریں یا نہ کریں۔ محبت خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

- نہیں تمہاری گواہی قانون کے مطابق قبول نہیں کی جاسکتی۔ کوئی مجرم جب اپنے خلاف گواہی دیتا ہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ وہ کسی بڑے لالچ کے تحت ایسا کر رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہیں بھی کوئی بڑا لالچ دے کر تم سے گواہی دلانی گئی ہے۔ ورنہ اگر سردار خان ملزم ثابت ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی سزا مل

مدد سے اچانک بے ہوش کر دیا گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو ہم سپیشل سنٹر کے بلیک روم میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اور اعظم خان اور سردار خان اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ پھر عمران نے کسی نامعلوم طریقے سے اپنے ہاتھوں میں موجود زنجیریں کھول دیں اس کے بعد وہاں صورت حال بدل گئی۔ سردار خان اور اعظم خان کو بے ہوش کر دیا گیا۔ وہیں سے عمران نے کرنل رستم کو فون کیا۔ کرنل رستم سے میری بھی بات کرائی۔ اس کے بعد کرنل رستم فوجیوں کے ساتھ وہاں آئے اور ہم سب کو اور سردار خان اور اعظم خان کو ساتھ لے کر فوجی چھاؤنی میں لگے۔ جہاں میرے سامنے عمران نے سردار خان اور اعظم خان سے اس فیکٹری اور وہاں مجبوس لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد ہم سب وہاں پہنچے اور جس کی میں نے پہلے تفصیل بتائی ہے۔ وہاں سے تین سو افراد کو جن میں سے ڈھائی سو کے قریب لڑکے ہیں آزادی دلانی گئی۔ یہ فیکٹری سردار خان کی ہے۔ اعظم خان اس کا بزنس پارٹنر تھا۔ اعظم خان چونکہ سرکاری ملازم ہے۔ اس لئے اس کے خلاف حکومت پاکستان اپنے قانون کے تحت کارروائی کرے گی۔ عمران اور اس کے ساتھیوں کا تعلق بھی حکومت سے ہے۔ اس لئے ان کے خلاف بھی کارروائی کرنے کی مجاز حکومت ہی ہے۔ البتہ سردار خان کے خلاف جرگہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔ کرنل آفتاب نے ایک بار پھر صاف انداز میں سب کچھ بتاتے ہوئے کہا۔

کے ساتھ ہی کوئی فیصلہ کریں گے اس لئے میں بھی اس سلسلے میں ایک ثبوت جرگے کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ یہاں سامنے آجائیں اور جو ثبوت آپ کے پاس ہو وہ پیش کریں۔“ جرگے کے سردار نے کہا تو عمران قدم بڑھاتا شیخ کے سامنے جا کر سردار خان اور کرنل آفتاب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”محضر جرگے کے سامنے اگر سردار خان کا اعتراف جرم پیش کر دیا جائے تو کیا یہ ثبوت نہ ہو گا۔“ عمران نے کہا۔

”میں نے کوئی اعتراف جرم نہیں کیا اور کیوں کروں جب میں نے کوئی جرم ہی نہیں کیا۔“ سردار خان نے چمک کر کہا۔

”سردار خان نے اپنے ذہن پر میرے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے اس فیکٹری کے بارے میں اپنے ملوث ہونے کے سلسلے میں تفصیلی بیان دیا تھا۔ سردار خان کو العتبہ معلوم نہ تھا کہ میری جیب میں ایک جدید ساخت کا ٹیپ ریکارڈر بھی موجود ہے۔ ہمارا تعلق دارالحکومت کے ایک قانون نافذ کرنے والے ادارے سے ہے۔ اس لئے ہم ایسے آلات استعمال کرتے ہیں تاکہ مجرموں کے خلاف عدالت کو ثبوت مہیا کیا جاسکے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور جیب سے اس نے ایک چھوٹا سا ریوٹر کنٹرول جتنا آلہ نکالا اور پھر اس کا بلن دبا دیا۔

”میں بتاتا ہوں۔ سب کچھ بتا دیتا ہوں۔“..... سردار خان کی خوفزدہ

”آپ جرگے کے سردار مقرر ہوئے ہیں۔ جب کہ سردار خان بطور ملزم پیش ہوا ہے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بے حد افسوس ہو رہا ہے کہ آپ نے ملزم کو تو کرسی پر بیٹھایا ہوا ہے۔ جب کہ کرنل آفتاب کو جو ان تین سو بے بس افراد کی نمائندگی کر رہے ہیں انہیں آپ نے کھڑا کیا ہوا ہے۔ کیا اسی کا نام انصاف ہے۔ اگر آپ سردار خان کو اس کی معزز حیثیت کی وجہ سے کرسی پر بیٹھانے کے لئے مجبور ہیں تو پھر کرنل آفتاب کو بھی کرسی دی جائے یا پھر دونوں کو کھڑا کیا جائے۔“ عمران نے تیز لہجے میں کہا۔

”آپ نے درست کہا ہے۔ یہ واقعی ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ سردار خان تم کھڑے ہو جاؤ..... جرگے کے سردار نے فوراً ہی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے سردار خان کو اٹھ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا تو سردار خان اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے وہ ایسا بادل خواست کر رہا ہو۔ اس کے چہرے پر کبھی لگی کے ساتھ ساتھ غصے کے تاثرات ابھرتے تھے۔

”کرسی ہٹا دی جائے۔“..... جرگے کے سردار نے کہا تو ایک آدمی نے آگے بڑھ کر وہ کرسی اٹھائی اور اسے دور لے گیا۔

”بس یا آپ کو اور بھی کچھ کہنا ہے۔“..... جرگے کے سردار نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

”آپ نے جس طرح اپنی غلطی کا کھلے عام اعتراف کیا ہے اور جس طرح فوری طور پر اس کی تلافی کی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آپ لوگ واقعی کھلے ذہن کے ساتھ یہاں موجود ہیں اور آپ کھلے ذہن

کوئی جبر نہ تھا۔ یہ بیان سردار خان نے خود دیا ہے۔ ہاں اگر جبر کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر اس سے بیان لیا گیا تو پھر واقعی یہ جبر سے لیا گیا ہے۔ اسے بے بس کر کے جب اسے موت کی دھمکی دی گئی تب یہ تفصیل بتانے پر آمادہ ہوا تھا۔ ... عمران نے پچی اور کھری بات کرتے ہوئے کہا۔

”یہی جبر ہوتا ہے۔“ سردار خان نے چمک کر کہا۔
 ”اس کا فیصلہ جبرگہ کرے گا۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”اور کوئی بات۔“ جبرگے کے سردار نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اگر ابھی بھی مزید کسی بات کی آپ ضرورت محسوس کرتے ہیں تو پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سردار خان آپ کے سامنے خود ہی اپنے جرم کا اعتراف کرے۔“ عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”میں کیوں اعتراف کر دوں گا۔ میرا دماغ تو خراب نہیں ہے۔ تم سب میرے خلاف سازش کر رہے ہو۔“ سردار خان نے غصے سے چیخے ہوئے کہا۔

”جبرگہ تو اس کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔ اسے آزاد بھی کر سکتا ہے اور اسے سزا بھی دے سکتا ہے اور سزا سخت بھی ہو سکتی ہے اور اجہائی نرم بھی۔ لیکن اگر سردار خان کو دارالحکومت کی کسی خصوصی عدالت میں پیش کر دیا گیا تو پھر اسے موت سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ پاکیشیا کے قانون میں اب بردہ فروش کی سزا موت رکھ دی گئی

کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد سردار خان نے تفصیل سے فیکٹری کے بارے میں اور وہاں قید کئے گئے افراد کے بارے میں اور پھر دارالحکومت سے اغوا ہونے والے لڑکوں اور آدمیوں کے بارے میں بیان دینا شروع کر دیا۔ جبرگے سمیت پورے میدان میں موجود ہر شخص پر جیسے سکوت سا طاری ہو گیا۔ خاموشی کی وجہ سے نیپ ریکارڈر سے نکلنے والی آواز پورے میدان میں آسانی سے سنی جا رہی تھی۔ جب بیان ختم ہوا تو عمران نے بن آف کر دیا۔

”آپ سب لوگ سردار خان کی آواز پہچانتے ہوں گے اور میرے خیال میں اس کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔“ عمران نے کہا۔

”نہیں یہ غلط ہے۔ یہ بیان مجھ پر جبر کر کے لیا گیا تھا۔ مجھے قتل کرنے کی دھمکی دی گئی تھی۔“ سردار خان نے یکفخت چیتے ہوئے کہا۔
 ”اس کا مطلب ہے کہ تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ یہ بیان تمہارا ہے۔“ جبرگے کے سردار نے کہا۔

”ہاں لیکن یہ مجھ سے جبر کر کے لیا گیا تھا اور آپ جانتے ہیں کہ جبر سے لیا گیا بیان قابل قبول نہیں ہوتا۔“ سردار خان نے اونچی آواز میں کہا۔

”کیا سردار خان درست کہہ رہا ہے۔ یہ بیان اس سے جبر کی حالت میں لیا گیا تھا۔“ جبرگے کے سردار نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔
 ”اگر جبر کا مطلب ہے کہ اس سے زبردستی غلط بیان لیا گیا۔ تو ایسا

ہے اور اسے اتہائی بھیانک جرم سمجھا جاتا ہے۔ التبتہ پاکیشیا کا یہ قانون بھی ہے کہ اگر آزاد علاقے کا جرگہ کسی ملزم کو سزا دیتا ہے تو چاہے یہ سزا کتنی بھی نرم کیوں نہ ہو۔ پھر پاکیشیا کا قانون اس سزا کا احترام کرتا ہے۔ اب یہ سردار خان کی مرضی ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ بس مجھے اتہائی کہنا تھا۔۔۔۔۔ عمران نے اتہائی سنجیدہ اور سرد لہجے میں کہا اور پھر مڑ کر واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

”سردار خان سب کچھ تم نے سن لیا ہے۔ اب آخری بار تم سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو۔“ جرگے کے سردار نے سردار خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”میں معزز سردار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جرگہ میری حیثیت کا خیال رکھے گا۔۔۔۔۔ سردار خان نے کہا۔

”تم اس وقت محض ایک ملزم ہو سردار خان اور جرگہ صرف انصاف کرے گا۔۔۔۔۔ جرگے کے سردار نے پاٹ دار لہجے میں کہا۔

”تم۔ تم نے پہلے کہا تھا کہ اگر میں اعتراف جرم کر لوں تو میری سزا نرم ہو جائے گی۔ کیا کیا اب ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ اچانک سردار خان نے کہا تو میدان میں موجود ہر شخص چونک پڑا جب کہ عمران بے اختیار مسکرا دیا۔

”تم اگر اعتراف جرم کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو۔ فیصلہ بہر حال جرگہ کرے گا کہ تمہیں کیا سزا دی جائے اور کیا نہیں۔۔۔۔۔ جرگے کے سردار نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”پہلے میرے ساتھ وعدہ کیا جائے کہ اگر میں اعتراف جرم کر لوں تو مجھے اتہائی نرم سزا دی جائے گی۔۔۔۔۔ سردار خان نے کہا۔

”نہیں سردار خان کوئی وعدہ نہیں کیا جاسکتا۔۔۔۔۔ جرگے کے سردار نے کہا۔

”تو ٹھیک ہے۔ میں کوئی اعتراف جرم نہیں کر رہا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میرے خلاف جو ثبوت پیش کئے گئے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں۔“ سردار خان نے بارعجب لہجے میں کہا۔

”ہم فیصلہ کرتے ہیں۔ ہمارے فیصلے کا انتظار کیا جائے۔“ جرگے کے سردار نے کہا اور پھر سینچ پر بیٹھے ہوئے جرگے کے سب افراد اکٹھے ہو گئے اور ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔

”کاش یہ اعتراف جرم کر لیتا۔۔۔۔۔ کرنل رستم نے کہا۔

”اس نے اعتراف جرم کر لیا ہے۔ اس کی یہ بات کہ اگر وہ اقرار جرم کرے تو اسے نرم سزا دی جائے۔ بلا واسطہ طور پر اقرار جرم ہی کہلانے کا اور میں نے دیکھا ہے کہ جرگے کا سردار بہر حال اس معاملے میں بے حد ذہین آدمی ہے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”عمران صاحب آپ نے واقعی بہترین انداز میں سردار خان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس انداز کا اقرار جرم کرے۔“ دو بہری طرف بیٹھے ہوئے صدیقی نے کہا۔

”میں نے جان بوجھ کر آخری بات کی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب سردار خان یہ کوشش کرے گا کہ کسی طرح اسے جرگے سے ہی کوئی

”نہیں نہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ غلط ہے۔ مجھے موت کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ میں بڑا خان ہوں۔ میں معزز آدمی ہوں۔“..... سردار خان نے بذیانی انداز میں چیتے ہوئے کہا اور اس نے مڑ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن دوسرے لمحے دس مسلح افراد عقابوں کی طرح اس پر تھپٹ پڑے اور پھر اسے قابو میں کر کے وہیں ایک درخت کے تنے کے ساتھ رسی سے باندھ دیا گیا۔ سردار خان نے اب جرجے سمیت سب کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ محبت خان اور اس کے ساتھیوں کو بھی سردار خان کے ساتھ ہی درختوں سے باندھ دیا گیا اور چند لمحوں بعد میدان فائرنگ کے دھماکوں اور گھٹیا اور مکروہ مجرموں کے حلق سے نکلنے والی آخری چیخوں سے گونج اٹھا۔

نرم سزا مل جائے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر وہ بری ہو گیا تو پھر ہم اسے اغوا کر کے بھی دارالحکومت لے جاسکتے ہیں اور وہی ہوا۔ اس نے بہر حال میرے اندازے کے مطابق ایسی بات کر دی۔ عمران نے کہا۔

”سنو جرجے نے فیصلہ کر لیا ہے اور میں فیصلے کا اعلان کرتا ہوں۔ جرجے کے متفقہ فیصلے کے مطابق سردار خان نے یہ بات کہہ کر کہ اگر وہ اعتراف جرم کرے تو اسے نرم سزا دیئے جانے کا وعدہ کیا جائے۔ دراصل اقرار جرم کر لیا ہے اس لئے مزید کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اب وہ گئی یہ بات کہ سردار خان اس علاقے کا بڑا سردار ہے اور اہتہائی معزز آدمی ہے۔ اس لئے اسے نرم سزا دی جائے۔ شری طور پر غلط ہے۔ بلکہ اتنے بڑے سردار نے اس طرح کا مکروہ گھٹیا اور قابل نفرت جرم کر کے اس پورے علاقے کی توہین کرائی ہے۔ اس لئے اسے اہتہائی سخت ترین سزا دی جاتی ہے۔ جرجے کے متفقہ فیصلے کے مطابق بردہ فروش کے اہتہائی مکروہ جرم میں سردار خان محبت خان اور اس کے ساتھیوں کو سوائے اعظم خان کے کیونکہ وہ سرکاری ملازم ہے اس کے جرم کا فیصلہ پاکیشیا کی عدالت کرے گی۔ فوری طور پر موت کی سزا دی جاتی ہے اور جرجے کے قانون کے مطابق اس سزا پر فوری عمل درآمد ہوگا اور سب کے سامنے ہوگا۔ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ سزا پر عمل کیا جائے۔“..... جرجے کے سردار نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”اوہ۔ انہیں اندر بلاؤ بیٹے۔ مہمانوں کو دروازے پر نہیں کھڑا کیا کرتے۔“ مسز مراد نے کہا۔

”آئیے اٹکل۔ اب تو می نے بھی کہہ دیا ہے۔“ عمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں ضرور۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ عمار کے ساتھ اندر داخل ہوا اور عمار اسے ذرا تنگ روم میں لے آیا۔ اسی لمحے مسز مراد بھی ادنیٰ چادر لپیٹے اندر داخل ہوئی۔

”اب آپ کی طبیعت کیسی ہے مسز مراد؟“ سلام دعا کے بعد عمران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مراد کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن پھر آپ کہیں باہر چلے گئے تھے کیا آپ نے کوئی کوشش کی ہے؟“ مسز مراد نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

”نہ صرف میں نے خود کوشش کی بلکہ یہاں ایک ایسا گروپ ہے جو مجرموں کے خلاف اپنے طور پر کام کرتا رہتا ہے۔ فور سٹارز گروپ۔ اس نے بھی مسز مراد کی تلاش پر کام کیا ہے اور۔۔۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر فقرہ مکمل کئے بغیر ہی خاموش ہو گیا۔

”اور یہ کہ آپ سب ناکام رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن میں اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں کہ معمولی سی امید پر بے چین ہو جاتا ہے۔“ مسز مراد نے انتہائی مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”کیا عمار بھی اپنے ڈیڑی کو یاد کرتا ہے؟“ عمران نے عمار کی

عمران نے مسز مراد کے فلیٹ کے بند دروازے پر دستک دی اور پھر وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور مسز مراد کے لڑکے عمار نے باہر جھانکا۔

”کیا حال ہے ماسز عمار؟“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اٹکل آپ۔ السلام علیکم۔ آئیے اندر آ جلیے۔“ عمار نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”تمہاری می کی طبیعت اب کیسی ہے۔ میں تو کچھ عرصہ دار الحکومت سے باہر رہا ہوں۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہے سلیے۔“ عمار نے کہا۔

”کون ہے دروازے پر عمار بیٹے؟“ اندر سے مسز مراد کی آواز سنائی دی۔

”اٹکل عمران ہیں می۔“ عمار نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”میں آپ سے مٹھائی کھانے کے لئے آیا تھا۔ مگر آپ نے تو مایوسی کی باتیں شروع کر دیں۔ اب مجھے مٹھائی کون کھلانے گا؟..... عمران نے کہا تو مسز مراد بے اختیار چونک پڑیں۔

”مٹھائی۔ کیا مطلب۔ کس بات کی مٹھائی؟..... مسز مراد نے حیرت اور امید کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

”عمران کے ڈیڑی کے مل جانے کی مٹھائی؟..... عمران نے کہا تو مسز مراد بے اختیار ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ جب کہ عامر کے چہرے پر ابھرنے والی کیفیات دیکھنے کے لائق تھیں۔

”کیا۔ کیا۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں کیا یہ کوئی سنگین مذاق تو نہیں ہے؟ مسز مراد نے اٹکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”نہیں مسز مراد میں ایک دکھیا بہن کے ساتھ کیسے ایسا سنگین مذاق کر سکتا ہوں۔ میں اور نور ستار ڈگر وپ مسلسل مراد صاحب کی تلاش میں لگے رہے ہیں اور نہ صرف ہم نے مراد صاحب کو ڈھونڈ نکالا ہے بلکہ ان کے ساتھ قید تین سو دوسرے افراد کو بھی مجرموں کے قبضے سے نجات دلائی ہے اور ان میں ذہائی سو کے قریب عامر جتنے لڑکے بھی تھے..... عمران نے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ کہاں ہیں وہ بخیریت تو ہیں۔ ان کی صحت کیسی ہے؟..... مسز مراد نے اہتائی جذباتی لہجے میں کہا۔

”انگل۔ میرے ڈیڑی مل گئے ہیں میرے اپنے ڈیڑی۔ میرے ڈیڑی؟..... عامر نے بھی اہتائی جذباتی لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ

طرف دیکھتے ہوئے کہا جو سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

”یہ بے چارہ تو بہت چھوٹا تھا۔ جب وہ غائب ہوئے ہیں لیکن اب بھی یہ ان کی تصویر اپنی جیب میں رکھتا ہے۔..... مسز مراد نے کہا۔

”کیوں عامر۔ کیا واقعی ایسا ہے؟..... عمران نے عامر سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یس انگل مجھے ڈیڑی بے حد یاد آتے ہیں اور خاص طور پر اس وقت جب دوسرے بچوں کے ڈیڑی انہیں سکول سے لینے آتے ہیں اور جب می اچانک بیمار ہو جاتی ہیں۔..... عامر نے تقریباً رونے والے لہجے میں کہا۔

”اگر اب تم اپنے ڈیڑی کو دیکھو تو کیا تم انہیں پہچان لو گے؟..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں بالکل میں انہیں ضرور پہچان لوں گا۔ لیکن۔ میں انہیں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟..... عامر نے کہا۔

”عامر اپنے ڈیڑی کے بارے میں بہت جذباتی ہے عمران صاحب۔ اس لئے پلیز اس سے ایسی باتیں نہ کریں جس سے اس کے دل کو مزید تکلیف پہنچے؟..... مسز مراد نے کہا تو عمران ہنس پڑا۔

”مسز مراد آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گئی ہیں۔ عمران نے کہا۔

”نہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو میں مایوس نہیں ہوئی۔ لیکن ان حالات کا کیا کروں۔ اپنے دل کا کیا کروں؟..... مسز مراد نے کہا۔

ہی وہ بے اختیار رونے لگا۔

”ارے ارے تم تو بہادر بچے ہو اور بہادر تو رویا نہیں کرتے۔
ابھی آجاتے ہیں تمہارے ڈیڈی..... عمران نے عامر کو گلے سے لگا کر
تھپکی دیتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے میز پر پڑے ہوئے
فون کا رسیور اٹھایا اور اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔
”سلیمان بول رہا ہوں..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف
سے سلیمان کی آواز سنائی دی۔

”سلیمان مراد صاحب کو ساتھ لے کر ان کے فلیٹ پر آ جاؤ۔
عمران نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

”میں انہیں براہ راست یہاں اس لئے نہیں لایا تھا کہ کہیں اچانک
ان سے ملاقات پر آپ دونوں پر شادی مرگ کی کیفیت نہ طاری ہو
جائے۔ لیکن اب آپ سنبھل گئے ہیں۔ اس لئے اب ایسا کوئی خطرہ
نہیں۔ اب مجھے مٹھائی مل سکتی ہے۔..... عمران نے مسکراتے
ہوئے کہا اور عامر تیزی سے دوڑتا ہوا کمرے سے نکل کر فلیٹ کے
بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جب کہ مسز مراد کی نظریں بھی
دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

”ڈیڈی۔ میرے ڈیڈی۔ میرے اپنے ڈیڈی..... تھوڑی دیر بعد
بیرونی دروازے کی طرف سے عامر کی اہتائی مسرت بھری چہنچہنی ہوئی
آواز سنائی دی تو مسز مراد بے اختیار اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ چند لمحوں
بعد دروازے پر مراد عامر کو اٹھائے اندر داخل ہوئے تو مسز مراد کا چہرہ

مسرت کی شدت سے جگمگا سا اٹھا۔

”خدا یا تیرا شکر ہے۔ تو نے میری دعائیں قبول کر لیں۔..... مسز
مراد کے منہ سے بے اختیار نکلا اور دوسرے لمحے وہ تیزی سے مٹریں اور
کمرے سے باہر نکل گئیں۔ مراد کے جسم پر اب صاف لباس تھا اور
چہرے پر مسرت کی جگمگاہٹ۔ اب وہ ایک نارمل انسان لگ رہا تھا۔
اس کے چہرے اور انداز میں وہ خوف کی کیفیت اب موجود نہ تھی۔

”عمران صاحب میں آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا احسان تازہ زندگی
نے اتار سکوں گا۔ آپ نے واقعی مجھے اور میری فیملی کو نئی زندگی دی
ہے۔ مراد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے عامر کو گود میں بٹھاتے ہوئے
اہتائی مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”بس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ممکن ہوا ہے۔ ویسے مجھے آپ کی
خوش قسمتی پر رشک آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی نیک بخت
بیوی عطا کی ہے جس کی دعائیں شاید دنیا کے سب شوہر مانگتے رہتے
ہیں۔..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کی بات درست ہے عمران صاحب میں واقعی اللہ تعالیٰ کا بے
حد شکر گزار ہوں۔..... مراد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھا اب مجھے اجازت دیجئے تاکہ آپ سب مل کر جشن مسرت منا
سکیں۔..... عمران نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے ارے آپ یہ نہیں۔ آپ..... مراد نے بوکھلائے ہوئے
لہجے میں کہا۔

مکمل ناول

برائٹ آئی

مصنف

منظہر کلیم ایم اے

برائٹ آئی۔ ایک ایسی بین الاقوامی تنظیم جو انسانی آنکھوں کے قرینے سمگل کرتی تھی جس سے بے شمار ماینا افراد کو روشنی مل جاتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ مجرم تنظیم تھی۔ کیوں؟

برائٹ آئی۔ ایک ایسی تنظیم جس کے پاکیشیا میں سیٹ اپ کے خلاف جب عمران حرکت میں آیا تو عمران کے جسم میں مشین گولیوں کی گولیاں اترتی چلی گئیں اور؟ برائٹ آئی۔ جس کے ہیڈ کوارٹر کی تباہی کے لئے تنور کو لیڈر بنا کر ٹیم بھیجی گئی جبکہ جولیا صغدر اور کیپٹن ٹکلیل بھی اس ٹیم میں شامل تھے۔

برائٹ آئی۔ جس کے ہیڈ کوارٹر کے تحفظ کے لئے ایکرمیسا کا سب سے خطرناک ریڈ کالر گروپ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے مقابل آگیا اور پھر تنویر کی ٹیم اور ریڈ کالر گروپ میں انتہائی خوفناک اور جان لیوا مقابلے شروع ہو گئے۔

برائٹ آئی۔ جس کے خلاف کامیابی عمران کے شاگرد ٹائیگر نے حاصل کر لی۔ کیوں؟ کیا تنویر اور پاکیشیا سیکرٹ سروس ٹائیگر کے مقابلے میں ناکام رہ گئے؟

✱ انتہائی تیز ایکشن خوفناک سسپنس اور جان لیوا مقابلوں سے بھرپور ✱

ایک دلچسپ اور ہنگامہ خیز ناول

نہیں اب میں چلتا ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔ او کے ماسٹر عامر۔
اب تو آپ کو آپ کے اپنے ڈیڈی مل گئے ہیں۔ اب تو آپ خوش ہیں..... عمران نے مسکراتے ہوئے عامر کے گال پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

تھینک یو انکل دی گرسٹ..... عامر نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور عمران مسکراتا ہوا کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ختم شد

یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان